ملتِ اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

ماہنامہ

محدث

لاہور پاکستان

383 | جون 2019

مدیر اعلیٰ

ڈاکٹر حافظ عبدالرحمٰن مدنی

مدیر

ڈاکٹر حافظ حسن مدنی

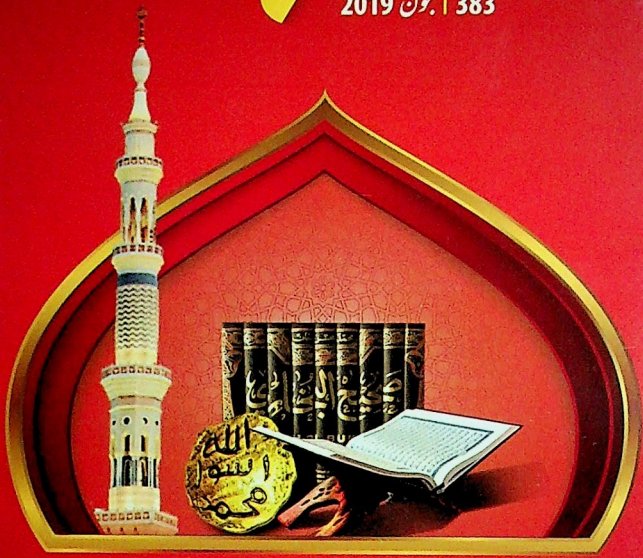

4 وفاق ہائے مدارس سے حکومت کے تازہ مطالبے

21 تکفیر وجہاد اور حساس مسائل پر امام ابن تیمیہ عدالتی کٹہرے میں

30 سیکولرزم کا تعارف وارتقا اور مسلم دنیا پر اثرات

64 الحاد کے معاشرے پر اثرات

جامعۃ لاہور الاسلامیۃ

ISLAMIC RESEARCH COUNCIL

مجلس التحقیق الاسلامی

علوم وفنون، افکار ونظریات اور تنظیموں وتحریکوں کے مرکز 'لاہور' میں عظیم الشان لائبریری

المکتبۃ الرحمانیۃ

اساتذہ، محققین اور اعلیٰ تعلیم کے طلبہ کی علمی ضروریات کا اہم مرکز ومرجع

خصوصیات

- ہمہ نوعیت کے موضوع پر 45 ہزار علمی ودینی کتابیں
- بین الاقوامی DDC لائبریری سکیم کے تحت مرتب شدہ
- لائبریری میں موجود کتب کو گھر بیٹھے سرچ کرنے کی آن لائن سہولت
- پاکستان میں 900 دینی رسائل وجرائد کے شماروں کا سب سے بڑا مرکز
- فاضل شخصیات اور ماہر لائبریرین کے ذریعے موضوع تک رہنمائی
- قدیم وجدید تحقیقات کے حامل جدید ایڈیشن
- عرب ممالک سے شائع ہونے والی نئی کتب کا مرکز
- فوٹو کاپی کروانے کی سہولت اور مسجد کا انتظام
- پرسکون محل وقوع اور تعلیمی اداروں کے سنگم میں

سہولیات

- جملہ اُردو عربی تفاسیر اور علومِ قرآن کی تمام کتب
- حدیث نبوی، شروحِ حدیث اور علوم قرآن کے بیشتر مراجع
- فقہی مذاہب خمسہ کی اُمہات الکتب اور جدید فقہی موضوعات کا مستند ذخیرہ
- اسلامی سیاسیات واقتصادیات اور عمرانیات وغیرہ سے متعلقہ بیش بہا خزانہ
- اسلامی قانون سے متعلقہ جملہ اہم پہلوؤں پر اَسلاف کا نادر علمی ورثہ
- Ph.D وغیرہ محققین کے لیے علمی رہنمائی اور مشاورت

اوقات صبح 09:00 بجے تا شام 05:00 بجے (چھٹی بروز جمعہ)

ایئر کنڈیشنڈ ہال

بمقام ادارہ 'محدث' 99/ جے ماڈل ٹاؤن، لاہور 042-35866396 لائبریرین: محمد اصغر 0305-4600861

Designing: AK 0321-4966404

ملتِ اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

ماہنامہ

مُحدِّث

لاہور پاکستان

مُدیرِ اعلیٰ
ڈاکٹر حافظ عبد الرحمن مدنی

مُدیر
ڈاکٹر حافظ حسن مدنی

جلد 50 — جون 2019ء / شوال المعظم 1440ھ — عدد 02

مجلس مشاورت
حافظ صلاح الدین یوسف ▪ ڈاکٹر محمد حماد لکھوی ▪ ڈاکٹر محمد اسحاق زاہد
ڈاکٹر حافظ انس مدنی ▪ ڈاکٹر حافظ حمزہ مدنی ▪ حافظ خضر حیات

فہرست مضامین

فکر و نظر — ڈاکٹر حافظ حسن مدنی
وفاق ہائے مدارس سے حکومت کے تازہ مطالبے — 4

سیاسۃ شرعیہ — سرحان عادل سرحان
تکفیر و جہاد اور حساس مسائل پر امام ابن تیمیہ عدالتی کٹہرے میں — 21

لادینیت والحاد — محمد زکریا رفیق
سیکولرزم کا تعارف وارتقا اور مسلم دنیا پر اثرات — 30

اسلام اور سائنس — ابویحییٰ
مذہب بیزاری کی ایک اہم دلیل کا تجزیہ — 52

دعوت و تبلیغ — حافظ خضر حیات
سعودی عرب میں خطبہ جمعہ کا نظام — 59

رپورتاژ — عبدالرحمن عزیز
الحاد کے معاشرے پر اثرات — 64

ترسیل
محمد اصغر 0305 4600861

زرسالانہ	300/= روپے
فی شمارہ	60/= روپے
بیرون ملک	
زرسالانہ	20/= ڈالر
فی شمارہ	4/= ڈالر

Monthly Muhaddis
A/c No: 984-8
UBL-Model Town
Bank Squre Market, Lahore.

دفتر کا پتہ
99 جے، ماڈل ٹاؤن، لاہور 54700
042-35866396, 35866476
Email:
Mohaddislhr@gmail.com

Publisher:
Hafiz Abdur Rahman Madni
Printer:
Shirkat Printing Press, Lahore

Islamic Research Council

مُحدّث کتاب و سُنّت کی روشنی میں آزادانہ بحث و تحقیق کا حامی ہے ادارہ کا مضمون نگار حضرات سے کُلّی اتفاق ضروری نہیں!

وفاق ہائے مدارس سے حکومت کے تازہ مطالبے

ٹکراؤ کے بجائے مفاہمت اور آئینی پیش قدمی

چند ماہ سے مدارسِ دینیہ اور ان کی اَسناد ورجسٹریشن کے بارے میں کئی خبریں گردش میں ہیں۔ اتحاد تنظیماتِ مدارس دینیہ کے نمائندہ وفد کی یکم اپریل ۲۰۱۹ء کو آرمی چیف پاکستان اور ۲/ اپریل کو وزیر اعظم پاکستان سے ملاقاتوں سے یہ سلسلہ شروع ہوا۔ پھر وفاقی وزارتِ تعلیم اور وفاق ہائے مدارس کے مابین ۶/ مئی ۲۰۱۹ء کو ایک اہم میٹنگ ہوئی جس کی رپورٹ قومی اخبارات میں یوں چھپی:

"حکومت اور دینی مدارس کے درمیان مدارس کی رجسٹریشن، رجسٹریشن کے لیے مراکز کے قیام اور مدارس کے اعداد و شمار تک رسائی سمیت متعدد اُمور پر اتفاق رائے ہو گیا ہے۔

وفاقی وزیر تعلیم شفقت محمود کی زیر صدارت دینی مدارس کے حوالے سے ایک اہم اجلاس وزارت کے کمیٹی روم میں منعقد ہوا۔ جاری اعلامیہ کے مطابق اجلاس میں اتحاد تنظیماتِ مدارس پاکستان کے سربراہان اور دیگر ذمہ داران نے شرکت کی۔ اجلاس کی کاروائی خوش اُسلوبی کے ساتھ اور خوش گوار ماحول میں مکمل ہوئی۔ تفصیلی گفت وشنید کے بعد اتفاق رائے سے فیصلہ کیا گیا کہ

(۱) آئندہ تمام دینی مدارس وجامعات، اتحادِ تنظیماتِ مدارس پاکستان کے ساتھ طے شدہ رجسٹریشن فارم کے مطابق وفاقی وزارتِ تعلیم وپیشہ ورانہ تربیت کے ساتھ رجسٹریشن کرانے کے پابند ہوں گے۔

(۲) اس مقصد کے لئے وفاقی وزارتِ تعلیم وپیشہ ورانہ تربیت پورے ملک میں ۱۰/ ریجنل دفاتر رجسٹریشن کے لئے قائم کرے گی۔

(۳) وفاقی وزارتِ تعلیم وپیشہ ورانہ تربیت مدارس وجامعات کے اعداد وشمار اکٹھے کرنے کی واحد مجاز اتھارٹی ہو گی۔

(۴) وہ مدارس وجامعات جو وفاقی وزارتِ تعلیم وپیشہ ورانہ تربیت کے ساتھ رجسٹرڈ نہ ہوں گے، وفاقی حکومت اُنہیں بند کرنے کی مجاز ہو گی۔

(۵) جو مدارس وجامعات رجسٹریشن کے قواعد وضوابط کی خلاف ورزی کریں گے، اُن کی رجسٹریشن

منسوخ کر دی جائے گی۔

(۶) تمام مدارس و جامعات جو وفاقی وزارتِ تعلیم و پیشہ ورانہ تربیت کے ساتھ رجسٹرڈ ہوں گے، اُنہیں شیڈول بینکوں میں اکاؤنٹ کھولنے کے لئے وفاقی وزارتِ تعلیم معاونت کرے گی۔

(۷) اجلاس میں اتفاق کیا گیا کہ وفاقی وزارتِ تعلیم و پیشہ ورانہ تربیت کے ساتھ رجسٹرڈ مدارس وجامعات غیر ملکی طلبہ کو تعلیم کی سہولت مہیا کر سکیں گے۔ اس سلسلے میں وزارتِ تعلیم کی سفارش پر ان طلبہ کو اُن کی مدتِ تعلیم (جو زیادہ سے زیادہ ۹ سال ہو گی) اور حکومتی قواعد وضوابط کے مطابق ان کے لئے ویزا کے اجرا میں معاونت کرے گی۔

(۸) ٹیکنیکل اور ووکیشنل تعلیم کے مواقع فراہم کرنے کے لئے وزارت کے ساتھ رجسٹرڈ مدارس وجامعات میٹرک اور ایف اے کے بعد فنی تعلیمی بورڈ کے ساتھ الحاق کر سکیں گے۔

اجلاس میں وفاقی وزیر تعلیم و پیشہ ورانہ تربیت شفقت محمود، نائب صدر 'وفاق المدارس العربیہ، پاکستان' مُفتی محمد رفیع عثمانی، صدر 'تنظیم المدارس اہل سُنّت، پاکستان' مفتی مُنیب الرحمٰن، ناظم اعلیٰ 'وفاق المدارسُ العربیہ، پاکستان' مولانا محمد حنیف جالندھری، جنرل سیکرٹری 'وفاق المدارس السّلفیہ، پاکستان' مولانا محمد یٰسین ظفر، نائب صدر 'وفاق المدارس الشیعہ، پاکستان' سیّد قاضی نیاز حسن نقوی، جنرل سیکرٹری، رابطۃ المدارس الاسلامیہ، پاکستان' ڈاکٹر عطاء الرحمٰن، جنرل سیکریٹری 'وفاق المدارس الشیعہ، پاکستان' مولانا محمد افضل حیدری اور وزارت کے اعلیٰ حکام نے شرکت کی۔"[1]

چند روز قبل اسی فیصلہ کی بازگشت دوبارہ یوں سنی گئی:

"وفاقی وزیر تعلیم شفقت محمود[2] نے کہا ہے کہ مدارس کی رجسٹریشن کے لیے ملک بھر میں ۱۲/ مراکز

---

۱ روزنامہ نوائے وقت: ۷/ مئی ۲۰۱۹ء

۲ پاکستان تحریکِ انصاف کے وفاقی وزیر تعلیم جناب شفقت محمود کے دینی و مذہبی رجحانات جاننے کے لئے اسلام آباد ہائیکورٹ میں دائر شدہ مقدمہ ختم نبوت ۳۸۶۲/۲۰۱۷ء کا فیصلہ ملاحظہ کریں۔ جس مقدمہ میں اسلام آباد میں مشہور دھرنا کیس کے دوران قادیانیت کے بارے میں ناروا آئینی ترمیم کی تحقیق کے لئے سینیٹر راجہ ظفر الحق کی قیادت میں قائم کمیٹی کا فیصلہ، نکتہ نمبر ۷۴ کے تحت یوں درج کیا گیا ہے: "راجہ ظفر الحق رپورٹ کا نکتہ ح: ۲۴/ مئی ۲۰۱۷ء کو منعقدہ اپنے ۱۹ویں اجلاس میں ذیلی کمیٹی نے ایکشن بل کے مسودہ پر غور کیا۔ فارم نمبر XXVIII، XXVII اور XXVIIC جنہیں ممبر قومی اسمبلی انوشہ رحمٰن اور شفقت محمود نے دوبارہ سے مسودہ تیار کیا تھا اور یہ فیصلہ کیا تھا کہ سب کمیٹی کے اگلے اجلاس میں سٹیٹ منسٹر انوشہ رحمٰن فارمز کا از سرِ نو جائزہ اور دوبارہ سے اس کا مسودہ تیار کر سکتی ہیں۔"... اسلام آباد ہائیکورٹ کے فیصلہ کا یہ حصہ قادیانیت نواز ترمیم کے اصل کرداروں سے پردہ اُٹھاتا ہے کہ جس آئینی فرض کو نبھانے میں ناکامی پر وفاقی وزیر قانون زاہد حامد نے استعفیٰ دیا تھا اور بعد میں پارلیمنٹ کو اسے واپس لینا پڑا،

کھولے جائیں گے اور مدارس کے مسائل کا حل وزارتِ تعلیم مقامی انتظامیہ سے مل کر نکالے گی۔ اُنہوں نے بتایا کہ حکومت تعلیمی اصلاحات لا رہی ہے۔ 'ایک قوم ایک تعلیم' ہمارا ہدف ہے۔ مدارس کی رجسٹریشن کا فیصلہ مستحسن ہے جس کے تحت نہ صرف مدارس کی سرگرمیوں پر نظر رکھی جاسکے گی بلکہ اس سے یکساں تعلیمی نصاب رائج کرنے میں بھی آسانی ہوگی۔"[1]

مذاکرات کے دوسرے دور میں ۱۶/ جولائی کو آرمی چیف سے ملاقات، پھر ۱۷ جولائی ۲۰۱۹ء کو ہونے والی اسی نوعیت کی ایک اعلیٰ سطحی میٹنگ میں انہی سابقہ فیصلوں کی توثیق کی گئی اور اس میں طلبہ مدارس کی میٹرک اور ایف کی اسناد کے لئے وفاق ہائے مدارس کو یہ ہدایت کی گئی کہ ان کے جملہ امتحانات وفاقی ثانوی تعلیم بورڈ (فیڈرل بورڈ آف انٹرمیڈیٹ اینڈ سیکنڈری ایجوکیشن FBISE) کے تحت منعقد کروائے جائیں گے۔ اس کے لئے اساتذہ اور ممتحن حضرات کی خصوصی تربیت کی جائے گی۔ تاہم وفاقاتِ مدارس کے اتفاق نہ کرنے پر، حکومت کی طرف سے ان امتحانات کو صرف اُن پرچوں تک محدود کرنے کا مطالبہ کیا گیا، جو حکومت کی طرف بطورِ لازمی مضمون پڑھائے جاتے ہیں۔ اس سلسلے میں وفاق ہائے مدارس کو تلقین کی گئی کہ وہ اپنی مجلس شوریٰ اور عاملہ سے آخری نکتہ کے بارے میں منظوری حاصل کریں۔ مدارس دینیہ سے حکومت کے مذاکرات کا تیسرا دور ۱۹/ اگست ۲۰۱۹ء کی میٹنگ سے شروع ہوگا، جس میں ان نکات پر مدارس اپنا موقف پیش کریں گے۔

حکومت کے ان مطالبات کی روشنی میں دیگر وفاق ہائے مدارس کی طرح وفاق المدارس السلفیہ نے اپنے سے ملحق مدارس کا ملک گیر اجلاس ۲۸/ جولائی ۲۰۱۹ء کو مرکزی جمعیت اہل حدیث کے دفتر ۱۰۶/ راوی روڈ، لاہور میں طلب کیا۔ جس میں ہزار کے قریب مدارس کے مہتمم اور ذمہ داران نے شرکت کی۔ وفاق المدارس السلفیہ کے صدر پروفیسر ساجد میر، ناظم اعلیٰ مولانا یاسین ظفر، اور وفاق کی مجلس عاملہ وشوریٰ کے ساتھ ناظمین مدارس کا بھرپور اجلاس ہوا۔ جس میں "وفاقی تعلیمی بورڈ سے الحاق اور عصری مضامین میٹرک، ایف اے کے امتحانات اور طریقہ کار" کا ایجنڈا زیر بحث تھا۔

موضوع کا تعارف

یہ اجلاس انٹر بورڈ کی اسناد (یعنی میٹرک اور ایف اے) کے بارے میں تھا، جس کا اس قبل مدارس کے لئے کوئی

اس قادیانیت نواز ترمیم کی ڈرافٹنگ ن لیگ کی انوشہ رحمٰن کے ساتھ، پی ٹی آئی کے شفقت محمود نے بھی کی تھی۔ یہ موقف سینیٹر راجہ ظفر الحق کی تحقیقی رپورٹ میں پیش کیا گیا ہے اور اسے ہی اسلام آباد ہائیکورٹ نے تحقیق کے بعد اپنے فیصلہ میں درج کیا ہے۔

۱ روزنامہ نوائے وقت: ۲۷/ جولائی ۲۰۱۹ء

طے شدہ طریقہ کار موجود نہیں ہے۔ مدارس کی ایم اے کی سند تو صدر ضیاء الحق مرحوم کے دور ۱۹۸۲ء میں منظور ہوئی، جس میں ایم اے کو تمام میدانوں کے لئے جامع تر کرنے اور اس کی بنا پر بی اے کرنے کا طریقہ بھی طے کیا گیا تھا۔ پھر جنرل مشرف کے دور میں اس پر کچھ پابندیاں اور شرائط عائد کی گئی۔ حال ہی میں ہائر ایجوکیشن کمیشن HEC نے بی اے کی سند کے بارے بھی ایک نوٹی فکیشن ۲۰۱۷ء[1] جاری کیا ہے۔ اُصولاً تو ۱۹۸۲ء میں ایم اے معادلہ Equivalence کے فوری بعد ہی مدارس کے باقی رسابقہ تعلیمی مراحل کی اسناد منظوری کی طرف پیش قدمی ہونا چاہیے تھی، لیکن ۳۷ برس گزر جانے کے بعد بھی پاکستان میں مدارس کے میٹرک اور ایف اے کی سند کے اعتراف کا کوئی باضابطہ نظام تاحال نہیں بن سکا۔

میٹرک اور ایف اے کی اسناد کی منظوری اور ان کے طریقہ کار کی غیر معمولی اہمیت اس بنا پر ہے کہ مشرف دور کے جاری کردہ نوٹی فکیشن ۲۰۰۵ء کے مطابق وفاق المدارس کی ایم اے کی سند کا معادلہ انہی کو ملتا ہے، جن کے پاس مدارس کی میٹرک، ایف اے اور بی اے مراحل کی سند موجود ہو۔ اگر پہلی دو اسناد کے لئے کوئی مخصوص طریقہ متعین کر دیا جاتا ہے تو اگلی اسناد کا انحصار انہی پر ہے۔ اور اگر ان اسناد پر کوئی سخت پابندی لگادی جاتی ہے، تو باقی اسناد (بی اے اور ایم اے یعنی الشهادة العالمية) کا مرحلہ آنے کی نوبت ہی نہیں آتی۔ اس بنا پر حالیہ اجلاس بھی اعلیٰ تعلیمی کمیشن HEC کی بجائے، فیڈرل بورڈ آف انٹر میڈیٹ اینڈ سیکنڈری ایجوکیشن کے حوالے سے ہی تھا۔ اسی طرح اگر مدارس کی ابتدائی اسناد کے ساتھ ان کی رجسٹریشن بھی وزراتِ تعلیم کے ساتھ ہو جائے تو وفاقہائے مدارس کے پورے ۳۷ سالہ نظام کو ہی سمیٹا جا سکتا ہے۔

ناظمین مدارس 'وفاق المدارس السلفیہ' کے اجلاس میں پیش کردہ ایجنڈے پر تبصرہ و تجزیہ کے دو پہلو ہیں:

اُصولی اور مستقل لائحہ عمل

① امتیازی سلوک: قومی نظام تعلیم کی دو صورتیں ہیں: پبلک یونیورسٹیاں اور پرائیویٹ یونیورسٹیاں، اور دونوں ہی قومی نصابی پالیسی کے تقاضوں کو پورا کرتے ہیں۔ دونوں کو حکومتی گرانٹس بھی ملتی ہیں۔ اور یہی دونوں ادارے اپنے منظور شدہ نظام تعلیم کے ساتھ باقی کالجوں کو بھی ملحق Affiliate کر سکتے ہیں۔

---

[1] HEC کی 'اسناد کو مساوی اور معتبر قرار دینے والی کمیٹی' (Equivalence and Accreditation Committee) نے اپنے چھٹے اجلاس منعقدہ ۲؍فروری ۲۰۱۷ء میں اس کے بارے میں فیصلہ کیا، اور اس فیصلہ کو نوٹیفکیشن نمبر 8(61)/A&A/2017/HEC مؤرخہ ۱۳؍اکتوبر ۲۰۱۷ء کو جاری کیا۔ مزید تفصیل کے لئے: 'محدث' اکتوبر ۲۰۱۷ء، ص ۱۷

جب کہ دینی مدارس پر پاکستانی حکومت عمارتوں، یوٹیلٹی بلز، اساتذہ وعملہ کی تنخواہوں اور نصابی کتب کی مد میں کچھ خرچ نہیں کرتی۔ ان کی مثال ایسے ہی ہے جیسا کہ پاکستان میں برطانوی نظام کے مطابق میٹرک کے مساوی او۔لیول اور ایف کے مساوی اے۔لیول کی تعلیم جاری ہے۔ اسی طرح فرانس وغیرہ میں مروّجہ آئی بی Inter Bachelorette کا انٹر میڈیٹ کورس بھی پاکستان میں کرایا جاتا ہے۔ اسی طرح پاکستان میں چارٹرڈ اکاؤنٹس کے انٹر اور بی اے مرحلے کے کورسز اور ڈپلومے بھی کرائے جاتے ہیں۔ اور حکومتِ پاکستان ان کورسز میں درکار تعلیمی دورانیہ اور نصاب کی نوعیت دیکھ کر نہ صرف ان کو پاکستان میں تعلیمی ادارے قائم کرنے کی اجازت دیتی بلکہ ان کی عطا کردہ اسناد کو بھی منظور کرتی ہے، پھر انہی اسناد کی بنا پر انہیں قومی جامعات میں داخلہ اور ملازمت کی سہولت بھی دیتی ہے۔ یہ بھی یاد رہے کہ ان مراحل مثلاً اے لیول اور آئی بی کی انٹر ڈگریوں میں قومی نظام تعلیم کے تقاضوں کی پاسداری بھی نہیں کی جاتی اور ان میں لازمی مضامین: اُردو، اسلامیات اور مطالعہ پاکستان سمیت انگریزی زبان کی لازمی تعلیم بھی نہیں دی جاتی۔

اس بنا پر ضرورت اس امر کی ہے کہ اگر دینی مدارس پر قومی وسائل کا کوئی حصہ صرف نہیں کئے جاتا تو پھر ان پر ملک میں جاری دیگر نظاموں کی طرح قومی نصابِ تعلیم کے لازمی تقاضے عائد نہ کئے جائیں۔ 'یکساں قومی نصاب سے استثنا' کی جو رعایت برطانیہ، فرانس، اور کامرس کے عالمی اداروں کو حاصل ہے، اس میں مدارسِ دینیہ سے امتیازی سلوک نہ کیا جائے۔ کیا وجہ ہے کہ صرف دینی مدارس کو ہی قومی نصاب تعلیم کا پابند کیا جاتا ہے؟ ایسے متوازی تعلیمی نظاموں پر کل یہ تقاضا عائد ہوتا ہے کہ وہاں ملک ومعاشرہ کے خلاف تعلیم نہ دی جائے۔ جبکہ دینی مدارس ایک طرف مسلم معاشرے پر عائد لازمی دینی تعلیم کے فریضے کی تکمیل میں مدد کر رہے ہیں جو دراصل پاکستان جیسے اسلام کے لئے حاصل کردہ ملک کا بنیادی تقاضا ہے، بلکہ یہ مدارس پاکستان کی نظریاتی سرحدوں کے بھی محافظ ہیں جس پر ان کی تاریخ شاہد ہے اور ان کے فضلا کی قومی خدمات مسلّمہ ہیں۔ اس بنا پر حکومت کا یہ مطالبہ اساس سے ہی درست نہیں کہ باقی نظام ہائے تعلیم کو چھوڑ کر، صرف مدارس کو قومی تعلیمی نظام کا پابند کیا جائے۔ اور اُنہیں کہا جائے کہ میٹرک اور ایف اے کے امتحان میں لازمی مضامین: انگریزی، اُردو اور اسلامیات ومطالعہ پاکستان کا ضرور امتحان دیا جائے۔

② عصری مضامین سے مراد: حکومت اگر اپنے اسی تقاضے پر اصرار جاری رکھتی ہے تو یہ واضح رہنا چاہیے کہ یہ صرف دو عصری مضامین کی بات نہیں ہے بلکہ میٹرک کے لازمی مضامین میں مذکورہ بالا چار لازمی مضامین

کے ساتھ سائنس وریاضی (یعنی کل چھ مضامین) کا امتحان ضروری[1] ہے۔ جیسا کہ وفاق المدارس العربیہ کے ناظم اعلیٰ مولانا محمد حنیف جالندھری اسی حوالے سے اپنے تازہ مضمون میں لکھتے ہیں:

"عصری مضامین یعنی میٹرک میں انگریزی، ریاضی، اُردو اور مطالعہ پاکستان جبکہ انٹر میڈیٹ میں انگریزی، اُردو اور مطالعہ پاکستان کا امتحان فیڈرل بورڈ لے اور دینی مضامین کے نمبروں کو شامل کر کے نتیجہ اور ڈگری جاری کرے۔"[2]

اس کے بعد آپ خود فیصلہ کر سکتے ہیں کہ مدارس میں پڑھائے جانے والے بھاری بھر کم ۸، ۹ مضامین کا وزن کیا رہا؟ پھر اس امر کی کیا ضمانت ہے کہ فیڈرل انٹر بورڈ اپنے اصل مطالبہ کو سامنے رکھتے ہوئے... جیسا کہ اجلاس میں بتایا گیا... ملحق ہو جانے کے بعد اس امتحان کو مستقبل قریب میں اپنے معروف طریقہ کار کے مطابق باقی تمام مضامین تک وسیع نہ کر دے۔ مولانا جالندھری کے الفاظ سے بھی پتہ چلتا ہے کہ فی الوقت فیڈرل بورڈ نے ہی لازمی عصری مضامین کے ساتھ وفاق کے امتحانات پر انحصار واعتماد کرتے ہوئے دینی مضامین کی سند جاری کرنا ہے۔ اور دینی مدارس کے طلبہ کو اُردو اور اسلامیات کے لازمی پرچوں کی رعایت دی جارہی ہے۔

③ فیڈرل بورڈ کے امتحان لینے کا طریقہ یہ ہے کہ پہلے وہ تعلیمی ادارہ/ مدرسہ اُن کے پاس رجسٹرڈ ہو تاکہ وہ اسے اپنے ساتھ ملحق Affiliate کر سکے۔ جب مدارسِ دینیہ کی بنیادی اسانید کی منظوری ہی اس پر

---

۱ یاد رہے کہ ۱۶/ اگست ۲۰۰۵ء کو سپریم کورٹ میں چیف جسٹس محمد افتخار چودھری نے فل بنچ کے سربراہ کے طور پر قرار دیا کہ "صرف انہی دینی مدرسوں کی سندیں قابل قبول ہوں گی جو ہائر ایجوکیشن کمیشن HEC سے منظور شدہ ہوں اور یہ سندیں میٹرک کے مساوی اس وقت سمجھی جائیں گی جب طالب علم نے کسی بورڈ سے انگلش، اُردو اور مطالعہ پاکستان کے لازمی مضامین پاس کیے ہوں۔"

۲ ماہنامہ وفاق المدارس، ملتان، اگست ۲۰۱۹ء

۳ ماضی میں علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی کا درس نظامی گروپ اسی بنا پر زیادہ پذیرائی حاصل نہ کر سکا کیونکہ اس میں بھی مڈل سے لے کر ایم اے تک کے نصاب میں دینی علوم کے ساتھ ساتھ میٹرک، ایف اے اور بی اے میں بھاری جدید نصاب رکھا گیا تھا، جیسا کہ مولانا زاہد الراشدی نے اپنے ایک مضمون میں درس نظامی گروپ کو جاری کرنے والے ڈاکٹر محمد طفیل ہاشمی کی زبانی اس کی تفصیلات پیش کی تھیں: "قرآن، حدیث، فقہ، عربی، اور دیگر ضروری دینی علوم کے ساتھ میٹرک میں اُردو، انگریزی، مطالعہ پاکستان، جنرل ریاضی، اور جنرل سائنس کے مضامین کو لازمی قرار دیا گیا ہے۔ جبکہ میٹرک کے بعد صرف اردو، انگریزی، اور مطالعہ پاکستان لازمی مضامین کا امتحان دے کر دو سال میں آٹھ مضامین مکمل کرنے کے بعد میٹرک کی طرح ایف اے اور بی اے کی سند حاصل کر سکتا ہے۔ اس پروگرام کے تحت بی اے تک دورۂ حدیث سے پہلے تک کے نصاب کو سمو دیا گیا ہے جسے دینی مدارس کی اصطلاح میں موقوف علیہ کہتے ہیں۔ اس کے بعد طالب علم کی مرضی ہے، چاہے تو کسی دینی مدرسہ میں دورۂ حدیث میں شریک ہو جائے یا چاہے تو کسی مضمون میں کسی بھی یونیورسٹی سے ایم اے کر لے۔" ('درسِ نظامی کا دینی نصاب': روزنامہ اوصاف: ۲۹/ جولائی ۱۹۹۸ء)

جب کہ دینی مدارس پر پاکستانی حکومت عمارتوں، یوٹیلٹی بلز، اساتذہ وعملہ کی تنخواہوں اور نصابی کتب کی مد میں کچھ خرچ نہیں کرتی۔ ان کی مثال ایسے ہی ہے جیسا کہ پاکستان میں برطانوی نظام کے مطابق میٹرک کے مساوی او۔لیول اور الیف کے مساوی اے۔لیول کی تعلیم جاری ہے۔ اسی طرح فرانس وغیرہ میں مروّجہ آئی بی Inter Bachelorette کا انٹر میڈیٹ کورس بھی پاکستان میں کرایا جاتا ہے۔ اسی طرح پاکستان میں چارٹرڈ اکاؤنٹس کے انٹر اور بی اے مرحلے کے کورسز اور ڈپلومے بھی کرائے جاتے ہیں۔ اور حکومتِ پاکستان ان کورسز میں درکار تعلیمی دورانیہ اور نصاب کی نوعیت دیکھ کر نہ صرف ان کو پاکستان میں تعلیمی ادارے قائم کرنے کی اجازت دیتی بلکہ ان کی عطا کردہ اسناد کو بھی منظور کرتی ہے، پھر انہی اسناد کی بنا پر انہیں قومی جامعات میں داخلہ اور ملازمت کی سہولت بھی دیتی ہے۔ یہ بھی یاد رہے کہ ان مراحل مثلاً اے لیول اور آئی بی کی انٹرڈگریوں میں قومی نظام تعلیم کے تقاضوں کی پاسداری بھی نہیں کی جاتی اور ان میں لازمی مضامین: اُردو، اسلامیات اور مطالعہ پاکستان سمیت انگریزی زبان کی لازمی تعلیم بھی نہیں دی جاتی۔

اس بنا پر ضرورت اس امر کی ہے کہ اگر دینی مدارس پر قومی وسائل کا کوئی حصہ صرف نہیں کئے جاتا تو پھر ان پر ملک میں جاری دیگر نظاموں کی طرح قومی نصابِ تعلیم کے لازمی تقاضے عائد نہ کئے جائیں۔ 'یکساں قومی نصاب سے استثنا' کی جو رعایت برطانیہ، فرانس، اور کامرس کے عالمی اداروں کو حاصل ہے، اس میں مدارسِ دینیہ سے امتیازی سلوک نہ کیا جائے۔ کیا وجہ ہے کہ صرف دینی مدارس کو ہی قومی نصاب تعلیم کا پابند کیا جاتا ہے؟ ایسے متوازی تعلیمی نظاموں پر کل یہ تقاضا عائد ہوتا ہے کہ وہاں ملک ومعاشرہ کے خلاف تعلیم نہ دی جائے۔ جبکہ دینی مدارس ایک طرف مسلم معاشرے پر عائد لازمی دینی تعلیم کے فریضے کی تکمیل میں مدد کر رہے ہیں جو دراصل پاکستان جیسے اسلام کے لئے حاصل کردہ ملک کا بنیادی تقاضا ہے، بلکہ یہ مدارس پاکستان کی نظریاتی سرحدوں کے بھی محافظ ہیں جس پر ان کی تاریخ شاہد ہے اور ان کے فضلا کی قومی خدمات مسلّمہ ہیں۔ اس بنا پر حکومت کا یہ مطالبہ اساس سے ہی درست نہیں کہ باقی نظام ہائے تعلیم کو چھوڑ کر، صرف مدارس کو قومی تعلیمی نظام کا پابند کیا جائے۔ اور اُنہیں کہا جائے کہ میٹرک اور الیف اے کے امتحان میں لازمی مضامین: انگریزی، اُردو اور اسلامیات ومطالعہ پاکستان کا ضرور امتحان دیا جائے۔

② عصری مضامین سے مراد: حکومت اگر اپنے اسی تقاضے پر اصرار جاری رکھتی ہے تو یہ واضح رہنا چاہیے کہ یہ صرف دو عصری مضامین کی بات نہیں ہے بلکہ میٹرک کے لازمی مضامین میں مذکورہ بالا چار لازمی مضامین

کے ساتھ سائنس وریاضی (یعنی کل چھ مضامین) کا امتحان ضروری[1] ہے۔ جیسا کہ وفاق المدارس العربیہ کے ناظم اعلیٰ مولانا محمد حنیف جالندھری اسی حوالے سے اپنے تازہ مضمون میں لکھتے ہیں:

"عصری مضامین یعنی میٹرک میں انگریزی، ریاضی، اُردو اور مطالعہ پاکستان جبکہ انٹر میڈیٹ میں انگریزی، اُردو اور مطالعہ پاکستان کا امتحان فیڈرل بورڈ لے اور دینی مضامین کے نمبروں کو شامل کر کے نتیجہ اور ڈگری جاری کرے۔"[2]

اس کے بعد آپ خود فیصلہ کر سکتے ہیں کہ مدارس میں پڑھائے جانے والے بھاری بھر کم ۸، ۹ مضامین کا وزن[3] کیا رہا؟ پھر اس امر کی کیا ضمانت ہے کہ فیڈرل انٹر بورڈ اپنے اصل مطالبہ کو سامنے رکھتے ہوئے... جیسا کہ اجلاس میں بتایا گیا... ملحق ہو جانے کے بعد اس امتحان کو مستقبل قریب میں اپنے معروف طریقہ کار کے مطابق باقی تمام مضامین تک وسیع نہ کر دے۔ مولانا جالندھری کے الفاظ سے بھی پتہ چلتا ہے کہ فی الوقت فیڈرل بورڈ نے ہی لازمی عصری مضامین کے ساتھ وفاق کے امتحانات پر انحصار واعتماد کرتے ہوئے دینی مضامین کی سند جاری کرنا ہے۔ اور دینی مدارس کے طلبہ کو اُردو اور اسلامیات کے لازمی پرچوں کی رعایت دی جارہی ہے۔

③ فیڈرل بورڈ کے امتحان لینے کا طریقہ یہ ہے کہ پہلے وہ تعلیمی ادارہ/مدرسہ اُن کے پاس رجسٹرڈ ہو تاکہ وہ اسے اپنے ساتھ ملحق Affiliate کر سکے۔ جب مدارسِ دینیہ کی بنیادی اسانید کی منظوری ہی اس پر

---

۱ یاد رہے کہ ۱۶/اگست ۲۰۰۵ء کو سپریم کورٹ میں چیف جسٹس محمد افتخار چودھری نے فل بنچ کے سربراہ کے طور پر قرار دیا کہ "صرف انہی دینی مدرسوں کی سندیں قابل قبول ہوں گی جو ہائر ایجوکیشن کمیشن HEC سے منظور شدہ ہوں اور یہ سندیں میٹرک کے مساوی اس وقت سمجھی جائیں گی جب طالب علم نے کسی بورڈ سے انگلش، اُردو اور مطالعہ پاکستان کے لازمی مضامین پاس کیے ہوں۔"

۲ ماہنامہ وفاق المدارس، ملتان، اگست ۲۰۱۹ء

۳ ماضی میں علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی کا درسِ نظامی گروپ اسی بنا پر زیادہ پذیرائی حاصل نہ کر سکا کیونکہ اس میں بھی مڈل سے لے کر ایم اے تک کے نصاب میں دینی علوم کے ساتھ ساتھ میٹرک، ایف اے اور بی اے میں بھاری جدید نصاب رکھا گیا تھا، جیسا کہ مولانا زاہد الراشدی نے اپنے ایک مضمون میں درس نظامی گروپ کو جاری کرنے والے ڈاکٹر محمد طفیل ہاشمی کی زبانی اس کی تفصیلات پیش کی تھیں: "قرآن، حدیث، فقہ، عربی، اور دیگر ضروری دینی علوم کے ساتھ میٹرک میں اُردو، انگریزی، مطالعہ پاکستان، جنرل ریاضی، اور جنرل سائنس کے مضامین کو لازمی قرار دیا گیا ہے۔ جبکہ میٹرک کے بعد صرف اردو، انگریزی، اور مطالعہ پاکستان لازمی مضامین کا امتحان دے کر دو سال میں آٹھ مضامین مکمل کرنے کے بعد میٹرک کی طرح ایف اے اور بی اے کی سند حاصل کر سکتا ہے۔ اس پروگرام کے تحت بی اے تک دورۂ حدیث سے پہلے تک کے نصاب کو سمو دیا گیا ہے جسے دینی مدارس کی اصطلاح میں موقوف علیہ کہتے ہیں۔ اس کے بعد طالب علم کی مرضی ہے، چاہے تو کسی دینی مدرسہ میں دورۂ حدیث میں شریک ہو جائے یا چاہے تو کسی مضمون میں کسی بھی یونیورسٹی سے ایم اے کر لے۔" ('درسِ نظامی کا دینی نصاب': روزنامہ اوصاف: ۲۹/جولائی ۱۹۹۸ء)

موقوف ہوگئی کہ فیڈرل بورڈ ان کے بنیادی لازمی مضامین کا مستند امتحان لے کر سند جاری کرے، تو پھر وفاق کے آئندہ اعلیٰ امتحان بھی گویا فیڈرل انٹر بورڈ کے رحم وکرم پر ہوگئے، اور اس طرح ان اعلیٰ اسناد کی مستقل حیثیت پر بھی سوالیہ نشان لگ گیا۔

④ دائرہ کار سے تجاوز: ایک طرف حکومت کا موقف کوئی معقولیت نہیں رکھتا، کیونکہ اس میں مدارس کے ساتھ امتیازی سلوک کیا جارہا ہے جیسا کہ اوپر ذکر ہوا۔ تو دوسری طرف اس سلسلے میں 'اداروں' کا کردار آئینی لحاظ سے اپنے دائرہ عمل سے تجاوز کے زمرے میں آتا ہے، کیونکہ سیکورٹی فورسز کی شاندار خدمات کے اعتراف کے ساتھ، پاکستانی آئین ان کو تعلیمی وسیاسی اُمور کی بجائے صرف دفاع وتحفظ تک محدود کرتا ہے۔ جب ملکی دفاع کا کوئی فریضہ کسی وزارتِ تعلیم یا وزراتِ مذہبی اُمور کا دائرۂ عمل نہیں، تو پھر حکومتی سیاسی فرائض میں ایسے 'اداروں' کی شرکت کا کیا مطلب ہے؟

⑤ یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ موجودہ آئینی اصلاحات کی رو سے وفاقی وزارتِ تعلیم کا بھی پاکستان بھر کے مدارس کے معاملات کو طے کرنا، ان کے آئینی کردار سے تجاوز ہے۔ کیونکہ اٹھارویں ترمیم کے بعد تعلیم، وفاق کی بجائے صوبوں کے دائرۂ عمل میں جاچکی ہے۔ اور اب اپنے اپنے تعلیمی معاملات کی نگرانی ہر صوبائی حکومت خود کرتی ہے۔ جیسا کہ HEC کا دائرہ عمل اور اس سلسلے میں قانونی مباحثے اور کیسز عدالتوں میں جاری ہیں۔

⑥ ٹھوس آئینی پیش قدمی؛ قانونی مدارس بورڈ اور چار ٹریونیورسٹی کا قیام: موجودہ صورتحال میں ایک طرف حکومتی دباؤ کی نامعقولیت کو واضح کرنا چاہیے تو دوسری طرف وفاق ہائے مدارس کو اس باضابطہ آئینی طریقہ کار کی طرف بڑھنا چاہیے۔ اور اس سلسلے میں ماضی قریب میں تنظیماتِ وفاق نے حکومتِ پاکستان سے مطالبہ بلکہ معاہدہ ابھی کر رکھا ہے کہ حکومت کی سطح پر ایسا آئینی بورڈ منظور کیا جائے گا، جس حکومت سے

---

1 مسلم لیگ ن کی حکومت میں وزیر مملکت (برائے وفاقی وزارتِ تعلیم وپیشہ وارانہ تربیت) انجینئر بلیغ الرحمٰن کا اتحادِ تنظیماتِ مدارسِ دینیہ کے ساتھ ایک معاہدہ طے پایا جو جولائی ۲۰۱۶ء کو قومی اخبارات میں رپورٹ ہوا۔ اس کی رو سے مدارس کے طلبا کو مختلف مراحل میں جدید سائنسی مضامین، انگلش اور مطالعہ پاکستان کے مضامین پڑھائے جائیں گے۔ اس کے بدلے میں حکومت ان طلبا کے امتحانات کے بعد انہیں سرکاری تعلیمی اداروں کی تعلیم کے مساوی تسلیم کرے گی۔ وہ حکومت کی تسلیم شدہ اسناد حاصل کر سکیں گے۔ مدارس کی تعلیم کو 'ایکٹ آف پارلیمنٹ' کے تحت تسلیم کیا جائے گا۔ ملک بھر کے ۳۵ ہزار مدارس کو اس نظام میں لایا جائے گا۔ (تفصیل: محدث، اکتوبر ۲۰۱۷ء: ص ۱۶) واضح رہے کہ اس معاہدہ میں سرکاری بورڈز کی بجائے مدارس کی تعلیم کو ایکٹ آف پارلیمنٹ کے تحت قانونی بنانے اور ان کے اپنے بورڈز کی منظوری کا معاہدہ کیا گیا تھا، جس سے موجودہ حکومت منحرف ہوگئی۔

منظور شدہ بورڈ کے تحت تمام مسالک کے مدارس اپنی اسناد کے امتحان لیں گے۔ ماضی میں تنظیماتِ مدارس حکومت سے اس کا مطالبہ کرتی رہیں، لیکن حکومت نے ان کے مطالبوں پر کان نہ دھرا۔

موجودہ حالات میں ضرورت اس امر کی ہے کہ پہلے مرحلہ پر تمام وفاق ہائے مدارس مل کر، حکومت میں جملہ لوازمات کے ساتھ آئینی بورڈ اور یونیورسٹی کی درخواست جمع کرائیں، اس کے جملہ رسمی تقاضے پورے کریں۔ اور پہلے ایک بورڈ، اور اس کے تحت جملہ مسالک کے خصوصی نصابات کو تحفظ دیا جائے، پھر تدریجاً اپنے اپنے مستقل بورڈز کی طرف پیش قدمی کی جائے۔

جب پاکستان میں نسبتاً کم وسائل والے ادارے ۱۰۰ کے لگ بھگ پرائیویٹ یونیورسٹیاں منظور کرا سکتے ہیں تو ۳۵ ہزار سے زائد، ملک بھر میں پھیلے مدارسِ دینیہ کو اس کی طرف پیش قدمی میں کیا رکاوٹ ہے؟ بالخصوص جبکہ تمام مدارسِ دینیہ اور ان سے وابستہ علمائے کرام، سرکاری طور پر منظور شدہ وفاق المدارس جیسی اسناد حاصل کرنے پر متفق ویکسو ہیں۔ اور اس طرح قومی دھارے سے علیحدگی کی بجائے تعمیر معاشرہ میں اپنا کردار ادا کرنا چاہتے ہیں۔ اس کا باضابطہ طریقہ ہی اس مسئلہ کا اصل، دائمی اور آئینی حل ہے!!

مدارس کے اپنے مستقل بورڈز اور اعلیٰ تعلیمی چارٹر کی ضرورت اس لئے بھی روز افزوں ہے کہ ایف اے کے بعد، بی اے اور ایم اے کی روایتی تعلیم کا نظام بھی سوالیہ نشان ہے اور قومی یونیورسٹیاں اس پر ہائر ایجوکیشن کمیشن سے مزاحمت کر رہی ہیں۔ بظاہر یہی نظر آتا ہے کہ روایتی بی اے اور ایم اے کا مستقبل (جو پرائیویٹ امتحان کی سہولت بھی دیتا ہے) پاکستان میں مخدوش ہے۔ یاد رہے کہ خلیجی ممالک سمیت بہت سی حکومتوں نے پاکستان کی 'پرائیویٹ طور پر ملنے والی حکومتی اسناد' کو چند سالوں سے مسترد کر دیا ہوا ہے۔

⑦ عوامی رابطہ مہم: حکومت کے موقف میں غلطی کو سمجھنے اور درست سمت میں آئینی پیش قدمی کے ساتھ ساتھ، معاشرے میں اپنے جائز موقف کو پھیلانے، مدارس کے طلبہ، اساتذہ اور انتظامیہ کو باخبر کرنے کے لئے قومی اور صوبائی سطح پر مدارس کے مسلسل کنونشن منعقد کئے جائیں جس سے رائے عامہ میں اتفاق اور یک جہتی پیدا ہو۔ اس سے مدارس کا تشخص بحال ہونے کے ساتھ ان کی آواز اور موقف میں بھی وزن اور تاثیر پیدا ہو گی۔

ا وزیر مملکت انجینئر بلیغ الرحمٰن نے کہا کہ "اس سلسلے میں امتحانی بورڈز کے ڈھانچے کو پورا کرنا ہو گا، ان کی وزارت اور وہ ذاتی طور پر اتحادِ تنظیمات مدارس کے بورڈز کو قانونی شکل دینے کے بارے میں ضروری مراحل طے کرنے کے لیے مکمل تعاون کریں گے، اس میں غیر ضروری تاخیر نہیں کی جائے گی۔" (روزنامہ نوائے وقت: ۱۴/ جولائی ۲۰۱۶ء)

ان کنونشنز میں حکومت سے تکرار اور اصرار کے ساتھ یہ مطالبہ بھی کیا جائے کہ مدارسِ دینیہ کو قومی نصابِ تعلیم کے نام پر علوم نبوت کی مہارت سے دور کرنے، اور ان علوم کی ناقدری کرنے کی بجائے، نظریۂ پاکستان اور آئین پاکستان کے آرٹیکل ۳۱ کے مطابق قومی نظام تعلیم میں بھی اسلامی علوم کو بھرپور حیثیت دی جائے۔ تاکہ حکومت کے اعلیٰ عہدوں پر براجمان شخصیات کم از کم سورۂ اخلاص اور آیت الکرسی کو صحیح پڑھ سکیں۔ نظریاتی مملکت کا وزیر اعظم صحابہ کرام جیسی ہستیوں کے کے حقیقی مقام سے ناآشنا نہ ہو، اور 'خاتم النبیین' جیسی ایمان کی بنیادی اساسات پر اس کی زبان نہ لڑکھڑائے۔ 'ریاستِ مدینہ' کا دعویٰ قرآن وسنت کی مستند اور معیاری تعلیم کے فروغ اور اس پر مربوط عمل سے ہی پورا ہو سکتا ہے۔

موجودہ حکومتی مطالبوں کے لئے وقتی اور فوری حکمتِ عملی

بظاہر حکومت سے اپنے مطالبات تسلیم کروانے کی جدوجہد، اور امتحانی بورڈز کو آئینی طور پر منظور کروانے میں امکانی تاخیر کو سامنے رکھتے ہوئے، حکومت سے جاری مکالمہ میں یہ پہلو بھی پیش نظر رکھے جائیں:

① کابل الحاق سے گریز: اجلاس کے ایجنڈے میں 'فیڈرل بورڈ سے الحاق' کی بات کی گئی ہے تو یہ واضح رہنا چاہیے کہ مدارس کی رجسٹریشن کی ایک صورت تو یہ ہے کہ کسی تعلیمی بورڈ سے ان کا باقاعدہ الحاق کیا جائے جیسا کہ پاکستان میں تمام سرکاری سکولز، انہی بورڈز سے منسلک ہو کر بطورِ ریگولر طالبعلم میٹرک اور ایف اے کا امتحان دیتے ہیں۔ جب کوئی تعلیمی ادارہ/ مدرسہ، کسی بورڈ سے الحاق کرتا ہے، تو سرکاری روایت یہ ہے کہ بورڈز ان پر اپنے قوانین لاگو کرتے اور ایسی بے رحمی سے اپنے اختیار کو استعمال کرتے ہیں کہ ملحقہ ادارے بلبلا اٹھتے ہیں۔ سکول یا مدارس تو ادنیٰ تعلیمی ادارے ہیں، بڑی بڑی پبلک یا پرائیویٹ

---

۱ دستورِ پاکستان ۱۹۷۳ء کا "آرٹیکل نمبر ۳۱(۱): پاکستان کے مسلمانوں کو، انفرادی اور اجتماعی طور پر اپنی زندگی اسلام کے بنیادی اُصولوں اور اساسی تصورات کے مطابق مرتب کرنے کے قابل بنانے کے لئے اور انہیں ایسی سہولتیں مہیا کرنے کے لئے اقدامات کئے جائیں گے، جن کی مدد سے وہ قرآن پاک اور سنت کے مطابق زندگی کا مفہوم سمجھ سکیں۔

(۲) پاکستان کے مسلمانوں کے بارے میں مملکت مندرجہ ذیل کے لئے کوشش کرے گی:

الف. قرآن پاک اور اسلامیات کی تعلیم کو لازمی قرار دینا، عربی زبان سیکھنے کی حوصلہ افزائی کرنا، اور اس کے لئے سہولت بہم پہنچانا، اور قرآن پاک کی صحیح اور من وعن طباعت اور اشاعت کا اہتمام کرنا۔

ب. اتحاد اور اسلامی اخلاقی معیاروں کی پابندی کو فروغ دینا۔ اور

ج. زکوٰۃ، عشر، اوقاف اور مساجد کی باقاعدہ تنظیم کا اہتمام کرنا۔"

یونیورسٹیوں کے سامنے جب ایچ ای سی اپنے آئے روز بدلنے والے قوانین کو نافذ کرتی ہے، تو ان اربوں کے بجٹ والی یونیورسٹیوں کی حالت دیدنی ہوتی ہے۔ پھر یہ سرکاری بورڈ اور کمیشن ملحقہ ادارے کے ملازمین کے کوائف، بنکوں میں دیے مشاہرے، اساتذہ اور طلبہ سے دوٹوک انٹرویو، عمارت کی انسپکشن، ہر سال کی تجدید اور گاہے بگاہے اداروں کے محاسبے جیسے قوانین لے کر آتے رہتے ہیں۔ الحاق کی صورت میں تمام پرچوں کے امتحانات، ان کے شیڈولز، پیپرز اور ان کی چیکنگ اصل بورڈز کے افسران کرتے ہیں۔ اور اگر کسی مرحلہ پر ادارے کی بلڈنگ میں کوئی اور کام، طلبہ کی تعداد میں کوئی اضافہ یا کسی ضابطے میں کوئی کوتاہی ہو جائے، تو ایسے تعلیمی بورڈز نئے داخلوں پر بندش سے لے کر سند جاری کرنے کی رکاوٹ تک کے تمام قانونی اقدامات کرتے ہیں۔ اس لئے مدارسِ دینیہ کو مکمل طور پر کسی سرکاری بورڈ سے یوں ملحق ہونا کہ ان کے طلبہ بطور ریگولر طالبِ علم میٹرک، اور ایف اے کے امتحان میں شریک ہوں، گویا اپنے خود مختاری گروی رکھنے کے مترادف ہے، اس سے ہر صورت گریز کرنا چاہیے۔ قومی نظام تعلیم اور اس کے ادارے، اس وقت خالصتاً مادی تعلیم پر یکسو ہیں اور اس کی پیروی اختیار کرنے والے اداروں میں علومِ نبوت کا علم و عمل کے نقطہ نظر سے پنپنا بڑا مشکل کام ہے، جس سے سرکاری اداروں سے تعلق رکھنے والوں کو آئے روز واسطہ پیش آتا ہے۔

② پرائیویٹ میٹرک اور پرائیویٹ ایف اے کی ترویج اور وفاق کی ثانویہ اسناد کی بے وقعتی: پاکستان کے اکثر دینی مدارس میں فی الوقت دینی تعلیم کے ساتھ ساتھ، عصر کے بعد یعنی سیکنڈ شفٹ میں مستقل اساتذہ کے ذریعے مڈل، میٹرک، ایف اے اور بی اے کی تیاری کرائی جاتی ہے۔ اور یہ طلبہ کسی بورڈ میں پرائیویٹ اُمیدوار کے طور پر تمام پرچوں کا امتحان دیتے ہیں۔ یہ معمول اس وقت ملک بھر میں بڑے پیمانے پر جاری ہے۔ اس وقت تک دینی مدارس کے طالبعلم کے لئے قومی نظام تعلیم سے سند حاصل کرنے کا یہی بہترین طریقہ رہا ہے۔

یوں بھی وفاق المدارس کے تحت میٹرک، ایف اے اور بی اے میں حکومت نے طلبہ مدارس کے لئے جتنے بنیادی مضامین لازمی کر دیے ہیں، یعنی:

میٹرک میں چھ: انگریزی، اُردو، جنرل ریاضی، جنرل سائنس، مطالعہ پاکستان اور اسلامیات

ایف اے میں چار: انگریزی، اُردو، مطالعہ پاکستان اور اسلامیات

اور بی اے میں چھ: انگریزی، اُردو، مطالعہ پاکستان اور اسلامیات، سماجیات کے دو مضامین[1]

اس کے بعد باقی رہ جانے والے مضامین وہی ہیں (جیسے عربی اور اسلامیات اختیاری وغیرہ) جن کے ذریعے دینی مدارس کے طلبہ اپنے کل نمبر اور پوزیشن کو بہتر کر سکتے ہیں۔ ان دو مضامین کو چھوڑنے کا نتیجہ ایک طرف ٹوٹل نمبر کم ملنے میں نکلتا ہے تو دوسری طرف ہمیشہ کے لئے مدارس کی سند کا تشخص اور اس کی پابندیاں بھی ساتھ لگی رہتی ہیں۔ افسوس ناک امر یہ ہے کہ حکومت نے مدارس کے بھاری اور معیاری نصاب کو (جو اصل العِلم کا مصداق ہے) کس قدر کم وقعت دی ہے تو ان تمام سرکاری امتحانات کو جزوی طور پر مختلف ایام میں دینا بھی طالبعلم کے لئے پریشانی پیدا کرتا ہے۔ دینی مدرسہ کا طالب علم مدرسہ کے داخلی امتحان، وفاق کے امتحان کے ساتھ، تیسرا سرکاری تکمیلی امتحان بھی دے تو یہ چیز اس کے لئے مشکل تر ہو جاتی ہے۔ چنانچہ جزوی امتحان کے بہت سے مسائل ہیں۔

اس لئے پرائیویٹ سطح کے ان جزوی کے بجائے کلی سرکاری پرائیویٹ امتحانات کو اس وقت تک بہر طور ترک نہیں کرنا چاہیے، جب تک حکومت پرائیویٹ امتحانات پر کوئی پابندی نہیں لگاتی۔ اور میٹرک، ایف اے کی حد تک ابھی پرائیویٹ امتحان کی سہولت باقی ہے۔ تاہم اس طریقہ کار پر بڑے پیمانے پر پابندی سے عمل کرنے کا نتیجہ یہ ہو گا کہ وفاق ہائے مدارس کی ثانویہ عامہ وخاصہ اور عالیہ کی اسناد کا نظام مزید بے وزن ہو جائے گا، کیونکہ طالبعلم اپنی متوازی بہتر اسناد کے لئے میٹرک، ایف اے اور بی اے کے پرائیویٹ امتحان پر ہی پورا انحصار کرلے گا، اور بی اے کے بعد پرائیویٹ ایم اے کر لینا بھی چنداں مشکل نہیں ہے۔

بی اے اور ایم اے کا پرائیویٹ امتحان

ایک حالیہ حکومتی نوٹی فکیشن میں ایف اے کے بعد مزید تعلیمی مراحل میں تمام قومی یونیورسٹیوں کو ہدایت کی گئی ہے کہ دسمبر ۲۰۱۸ء کے بعد اُصولی طور پر بی اے کو ہی ختم اور اس کی جگہ (۱) ریگولر طلبہ کے لئے (۲) سمیسٹر سسٹم پر مشتمل دو سالہ ایسوسی ایٹ ڈگری پروگرام ADP جاری کریں، جس میں (۳) سابقہ چار لازمی مضامین کے ساتھ (۴) مغربی سماجی علوم کا ایک بڑا حصہ بھی لازماً شامل ہونا چاہیے۔ جیسا کہ قومی اخبارات میں تین ماہ قبل یہ خبر چھپی:

"ہائر ایجوکیشن کمیشن کے ڈائریکٹر اکیڈمک سلمان احمد کے جاری کردہ نوٹیفکیشن میں ملک بھر کی

---

[1] ۲۰۱۷ء میں جاری کردہ ہائر ایجوکیشن کمیشن HEC کے تازہ نوٹی فکیشن کی رو سے۔

جامعات کے وائس چانسلرز سے کہا گیا ہے کہ ۳۱ر دسمبر ۲۰۱۸ء کے بعد سے کئے جانے والے بی اے اور بی ایس سی انرولمنٹ اور رجسٹریشن کو ہائر ایجوکیشن کمیشن تسلیم نہیں کرے گا جبکہ ۲۰۲۰ء میں ایم اے اور ایم ایس سی پروگرام بھی ختم کر دیا جائے گا۔ آئندہ چند روز میں باقاعدہ ایک اور نوٹیفکیشن جاری کر دیا جائے گا جس میں کہا جائے گا کہ ہائر ایجوکیشن کمیشن ۳۱ر دسمبر ۲۰۱۸ء کے بعد کئے جانے والے بی اے اور بی ایس سی انرولمنٹ اور رجسٹریشن کی سند (ڈگری) کی تصدیق نہیں کرے گا۔"[1]

اس کے بعد دوبارہ ۱۷ر جولائی ۲۰۱۹ء کو ایچ ای سی کی طرف سے ایک حتمی نوٹس جاری کیا گیا:

"کمیشن برائے اعلیٰ تعلیم HEC نے ملک کی تمام سرکاری اور نجی جامعات اور ان سے منسلک کالجز کو آئندہ تعلیمی سال سے دو سالہ گریجویٹ پروگرام (بی اے ربی ایس سی) ختم اور ایسوسی ایٹ ڈگری پروگرام ADP شروع کرنے کے لیے حتمی نوٹس جاری کر دیا۔

HEC کے حکم نامے کے مطابق بی اے اور بی ایس سی پروگرامز میں ۳۱ر دسمبر ۲۰۱۸ء سے قبل داخلہ لینے والے طلبہ کو ۳۱ر دسمبر ۲۰۲۰ء تک اپنی ڈگری مکمل کرنے کی اجازت ہوگی۔ تاہم جو طالبعلم اس میں ناکام رہے انہیں ڈگری دینے والے کالجز اور جامعات کی شرائط پر پورا اترنے کے بعد ایسوسی ایٹ ڈگری تفویض کی جائے گی۔ چنانچہ جو طالبعلم ایسوسی ایٹ ڈگری مکمل کریں گے وہ ۴ سمسٹرز کے برابر ہوگی تاہم وہ ۴ مزید سمسٹرز مکمل کر کے بی ایس کی ڈگری حاصل کر سکیں گے۔"[2]

ایچ ای سی کے اس اقدام پر صوبائی وزارت تعلیم کے علاوہ یونیورسٹیوں کو شدید تحفظات ہیں، جیسا کہ

"ایڈیشنل سیکرٹری اکیڈمک پنجاب ہائر ایجوکیشن ڈیپارٹمنٹ HED طارق حمید بھٹی نے کہا کہ ایچ ای سی نے بی اے ربی ایس ۲ سالہ ڈگری پروگرام پر پابندی عائد کرنے کے حوالے سے مشاورت نہیں کی۔ ایچ ای سی کے فیصلے کے حوالے سے لائحہ عمل تیار کر رہے ہیں۔ اس حوالے سے کوئی بھی اقدام مشاورت کے بعد کریں گے۔ اعلیٰ تعلیمی کمیشن HEC پنجاب نے ہائر ایجوکیشن ڈیپارٹمنٹ HED سے مشاورت کیے بغیر ہی بی اے بی ایس ڈگری پروگرام پر پابندی لگادی۔ صوبائی اعلیٰ تعلیم کے محکمہ کا کہنا ہے کہ مشاورت کے بعد فیصلے کے حوالے سے جواب دیں گے۔"[3]

ایک اور خبر کے مطابق

---

۱ روزنامہ جنگ: ۲۵ر اپریل ۲۰۱۹ء

۲ ڈان نیوز: ۱۷ر جولائی ۲۰۱۹ء

۳ روزنامہ دنیا: ۲۷ر اپریل ۲۰۱۹ء

"ملک کی مختلف سرکاری جامعات وفاقی ہائر ایجوکیشن کمیشن HEC کے بی اے/بی ایس سی سے متعلق اس فیصلے کے خلاف مزاحمت کا ارادہ کر رہی ہیں، جو لاکھوں طلبا کو بطور پرائیویٹ اُمیدوار ڈگری کے حصول سے دور کر دے گا۔

ڈان اخبار کی ایک رپورٹ کے مطابق ایچ ای سی کی جانب سے تمام سرکاری اور نجی جامعات اور منسلک کالجز کو حتمی ہدایت جاری کی گئی تھی کہ وہ ۲ سالہ بی اے/بی ایس سی پروگرام کو ختم کر دیں اور آئندہ تعلیمی سال سے ایسوسی ایٹ پروگرامز ADP شروع کریں۔ ساتھ ہی یہ سرکاری و نجی جامعات کو یہ بھی ہدایت کی گئی تھی کہ ۲۰۲۰ کے بعد ایم اے/ایم ایس سی پروگرامز کی آفر نہیں کر سکتیں۔ جامعات اور کالجز کے پاس یہ صلاحیت بھی نہیں تھی کہ وہ سمسٹرز سسٹم کی ضروریات کو پورا کر سکیں اور ابھی بھی مختلف تعلیمی ادارے مطلوبہ ضروری صلاحیت نہ ہونے کی وجہ سے سمسٹر سسٹم پر عمل درآمد کرنے میں مشکلات کا شکار ہیں۔ تجزیہ کار کہتے ہیں کہ ایسے فیصلے راتوں رات نہیں لیے جاتے اور نہ ہی بنیادی ضروریات کو پورا کیے بغیر ان پر عمل درآمد نہیں ہوتا۔

دوسری جانب ذرائع کا کہنا تھا کہ پنجاب، سندھ، بلوچستان، خیبر پختونخوا اور وفاقی دارالحکومت اسلام آباد کے تمام ہائر ایجوکیشن انسٹی ٹیوشنز کے وائس چانسلرز نے ایچ ایس سی کے چیئرمین طارق بانوری کے ساتھ ملاقات میں اپنے تحفظات کا اظہار کیا تھا۔

اس حوالے سے کچھ شیخ الجامعات نے نام ظاہر نہ کرنے کی شرط پر ڈان نیوز کو بتایا کہ وہ ایچ ای سی کو بی اے/بی ایس سی اور ایم اے/ایم ایس سی پروگرامز کو مکمل طور پر ختم کرنے کے فیصلے پر نظر ثانی کے لیے تحریری طور پر لکھیں گے۔

اُنہوں نے کہا کہ ایچ ای سی کے چیئرمین کو بتایا گیا کہ یہ ان کے لیے ممکن نہیں ہے کہ وہ ایسوسی ایٹ ڈگری پروگرامز کو شروع کریں کیونکہ ان کے پاس اس مقصد کے لیے مطلوب وسائل نہیں ہیں۔"[1]

مذکورہ بالا تفصیل سے علم ہوتا ہے کہ ایف اے کے بعد ہونے والے بی اے اور ایم اے کے نظام تعلیم اور سطح کے پرائیویٹ امتحانات پر اس وقت شدید مباحثہ جاری ہے۔ بعض غیر مصدقہ اطلاعات کے مطابق بی اے کے امتحان پر بندش میں ایچ ای سی نے دو سال کی توسیع کر دی ہے۔ پاکستان کی قدیم و اہم ترین جامعہ، پنجاب یونیورسٹی کے ۹/اگست ۲۰۱۹ء کو جاری کردہ نوٹی فکیشن میں یہ قرار دیا گیا ہے کہ

---

۱ ڈان نیوز: ۲۹/جولائی ۲۰۱۹ء

"بی اے، بی ایس سی اور بی کام کی دو سالہ ڈگری میں کسی بھی قانونی و نصابی نوعیت کی تبدیلی کے بغیر، اس کا نام ایسوسی ایٹ ڈگری پروگرام ADP کر کے اسے جاری کر دیا گیا ہے۔ اس کے سالانہ اور ضمنی امتحانات میں ماضی کی طرح ریگولر و پرائیویٹ اُمیدوار شریک ہو سکتے ہیں۔ مستقبل میں یونیورسٹی کی قائم کردہ کمیٹی اس میں ضروری اصلاحات کی ضرورت اور مطالبوں کا جائزہ لیتی رہے گی۔"[1]

ناظمین مدارس کے اجلاس کے دوران علم ہوا ہے کہ طلبہ مدارس کے بی اے اور ایم اے کی سند کے سلسلے میں جب چیئرمین ایچ ای سی سے بات چیت کی گئی تو اُنہوں نے ذمہ داران وفاقات کو مدارس کا ایف اے کے بعد بی ایس ماڈل پر (عالیہ اور عالمیہ پر مشتمل) چار سالہ کورس تشکیل دینے کو کہا ہے جس کے بعد اس کی منظوری کا جائزہ لیا جائے گا۔ گویا ایچ ای سی کے نئے نظام کے بعد جس طرح قومی یونیورسٹیوں میں بی اے، ایم اے کا منظر نامہ تبدیل ہو رہا ہے، اسی طرح طلبہ مدارس کی بی اے اور ایم اے اسناد کا اُصولی فیصلہ ہونا بھی باقی ہے۔

③ سرکاری بورڈز کے تحت وفاقات کے سرکاری مضامین کے لئے تجاویز: موجودہ اجلاس کا اصل ایجنڈا تو "وفاقی تعلیمی بورڈ سے الحاق اور عصری مضامین میٹرک، ایف اے کے امتحانات اور طریقہ کار" تھا۔ ایک مثالی صورتحال اور اس کے خاکے کی نشاندہی کے بعد، اور دونوں عبوری صورتوں کی مشکلات اور فوائد کے تجزیے کے بعد آخری مرحلے کے طور پر وفاق ہائے مدارس کو اس سلسلے میں بھی حکومت کے سامنے درج ذیل تجاویز کو زیر بحث لانا چاہیے، کیونکہ موجودہ صورتحال میں یہ حکومتی اقدام ناقابل قبول ہے:

i. ایسے امتحانات کے پرچوں کو بنانے، چیکنگ اور نگرانی کا کام ایک ایسی کمیٹی کے سپرد ہو، جس میں چاروں وفاقات کے نمائندے موجود ہوں۔

ii. یہ امتحانات فیڈرل بورڈ کی بجائے، صوبائی سطح پر ایک، ایک بورڈ کے تحت لئے جائیں۔ تاکہ طلبہ کے لئے اپنے اپنے صوبوں میں آمد و رفت آسان ہو سکے۔

iii. ان امتحانات کا شیڈول مدارس کے وفاقات کی منظوری سے طے کیا جائے اور اُنہیں ایسے ایام میں رکھا جائے جب طلبہ مدارس کے لئے ان میں شریک ہونا آسان ہو۔

iv. فیڈرل بورڈ کا نظام، فیسیں، کتب کی قیمت اور نصاب بھی تمام دیگر انٹر بورڈز کی نسبت مشکل تر ہے، طلبہ مدارس کو اس مشکل سے بچانا چاہیے۔

v. یہ امتحانات اُردو زبان میں منعقد کرنے کی اجازت ہونی چاہیے۔

---

1 پنجاب یونیورسٹی نوٹی فکیشن نمبری D/612/R مجریہ ۹/ اگست ۲۰۱۹ء

vi. عصری مضامین کو کم از کم ۱۰ سال کے لئے دو پرچوں تک محدود کیا جائے، اور وفاقات کے نصاب میں عصری مضامین سے مراد معاشیات وسیاسیات لئے جاتے ہیں، انکو بورڈ کے رحم وکرم پر نہ چھوڑا جائے جو اگر اسے ۴، ۵ مضامین تک لے گئے تو دینی مدارس کا باقی نصاب ہی بے وزن ہو جائے گا۔

vii. ایف اے کے بعد بی ایس سطح پر ایچ ای سی کے چند سال قبل تجویز کردہ چار سالہ تعلیمی پروگرام میں بھی دینی مدارس کے لئے خصوصی اقدامات کئے جائیں، تاکہ دینی مدارس کے لئے قومی نظام تعلیم سے ہم آہنگ ہونا ممکن ہو۔ جیسے مغربی سماجی علوم کی ایک تہائی لازمی شرح کو کم کرتے ہوئے مزید معیاری اسلامی کورسز کا اضافہ، اس بی ایس میں داخلہ کے لئے ثانویہ خاصہ (ایف اے) کی اُصولی رعایت دینا اور امتحانی پرچے بنانے والی کمیٹی میں علما کے نمائندوں کی شمولیت وغیرہ۔

وفاق المدارس السلفیہ کے اجلاس کا فیصلہ

وفاق المدارس السلفیہ کے اس نمائندہ اجلاس میں بہت سے ناظمین مدارس اور ماہرین تعلیم نے انگریزی اور سماجی علوم کی اہمیت، طریقہ تدریس اور امکانات پر بھی قیمتی اظہار خیال کیا۔ حالانکہ پیش نظر مسئلہ بعض علوم کی اہمیت یا اس کے ممکنہ طریقہ کار کا نہیں اور یوں بھی انگریزی وسماجی علوم اکثر سلفی مدارس میں پڑھائے جاتے ہیں۔ اصل سوال تو بعض غیر ملکی نظاموں کو ملنے والی سہولت اور مدارسِ دینیہ سے امتیازی سلوک کا ہے۔ اور مدارس کی منظوری کو قابل عمل اور وسیع کرنے کی بجائے، ان پر پابندی اور سرکاری کنٹرول کا ہے، حالانکہ حکومت مدارس کو قومی تعلیمی بجٹ سے پھوٹی کوڑی بھی نہیں دیتی جو اس کا آئینی فریضہ ہے۔ اگر حکومت نے مدارس کو وزارتِ تعلیم کے ساتھ ملحق کرنے کا سوچ ہی لیا ہے تو دیگر سہولیات کے ساتھ کم از کم قومی تعلیمی بجٹ میں ان کا بھی حصہ مقرر کرنے سے آغاز کرے۔

ناظمین مدارس کے اجلاس میں اتفاقِ رائے سے یہ طے پایا کہ

"حکومت کے ان نئے اقدامات کی بجائے، اُنہیں سابقہ معاہدوں کی طرف متوجہ کیا جائے۔ نئے آئینی راستے اختیار کئے جائیں اور اپنے جائز مقاصد کے لئے دباؤ میں اضافہ کیا جائے۔ اور یہ کام تمام وفاقات کی مشاورت اور پوری تائید سے مل کر کیا جائے۔

اگر حکومت سے کوئی مفاہمت ممکن نہ ہو تو اصلاحات کے مکمل نفاذ کے لئے حکومت سے چند سال کا

ا جیسا کہ اتحاد تنظیمات مدارس دینیہ نے حکومت سے مئی ۲۰۱۹ء میں ہونے والے اجلاس میں مدارس ومساجد کے یوٹیلٹی بلز کی معافی یا چھوٹ کا متفقہ مطالبہ کیا، جسے مسترد کر دیا گیا۔ (ماہنامہ وفاق المدارس، ملتان، مئی ۲۰۱۹ء، ص ۶)

وقت لیا جائے۔ اور مدارس کو فیڈرل بورڈ کی بجائے، علاقائی بورڈز کے ذریعے سرکاری امتحانات دینے کی طرف متوجہ کیا جائے۔ اور اس سلسلے میں مذکورہ بالا نکات پر گفتگو کی جائے۔"

جامعہ لاہور الاسلامیہ (رحمانیہ) میں جاری تعلیمی تجربہ

اوپر درج کردہ تجاویز اور مسائل صرف نظریاتی باتیں نہیں بلکہ ان پر برسہابرس لگانے کے بعد اس سلسلے میں درپیش مشکلات کا جائزہ لیا گیا اور امکانی اقدامات کو عملاً اختیار بھی کیا گیا، جس کی مختصر تفصیل یہ ہے کہ

عالم اسلام بالخصوص سعودی عرب، ایران، مصر اور ملائیشیا وغیرہ میں عالم دین بنانے کے لئے فی زمانہ مروّجہ طریقہ یہ ہے کہ ایف اے مرحلہ کے بعد، دیگر سائنسی و سماجی علوم کی طرح چار سالہ کورس میں قرآن وحدیث، فقہ وعقائد، اور ان کے اُصول وعلوم، عربی زبان اور شرعی عمرانی علوم پر مشتمل ایک جامع کورس پڑھنے والے کو علوم شریعت کا ماہر قرار دیا جاتا ہے۔ اس کے بعد مزید مہارت کے لئے قاضی، مفتی، داعی اور محقق وغیرہ کے ڈپلومے اور بعض اوقات ایم فل اور پی ایچ ڈی کی مزید اعلیٰ تحقیق بھی کرائی جاتی ہے۔

لاہور میں ۵۰ برس سے قائم مرکزی درسگاہ جامعہ لاہور الاسلامیہ (رحمانیہ) میں برصغیر میں روایتی درسِ نظامی لمبا عرصہ جاری ہے جس میں والد گرامی مولانا ڈاکٹر حافظ عبد الرحمٰن مدنی حفظہ اللہ (رئیس الجامعہ) کی قیادت میں یوں ترامیم کی گئیں کہ عالم اسلام کی ممتاز جامعات اور پاکستان کی HEC کے مجوزہ چار سالہ کورس میں برصغیر کی دینی روایت 'درسِ نظامی' کو سمو دیا گیا۔

جدید نظام تعلیم کے طور پر، آٹھ برس قبل، سالانہ کی بجائے 'سمیسٹر سسٹم' اختیار کیا گیا۔ تمام جامعات میں رائج نصابی کتب اور کورسز کے تدریسی مراجع لمبی جدوجہد کے بعد جامعہ کی لائبریری میں جمع کئے گئے۔ ایسے نامور اساتذہ کرام میسر کئے گئے جو درس نظامی کے ساتھ ساتھ، عالم اسلام کی ممتاز اسلامی جامعات سے نمایاں پوزیشن کے ساتھ سندِ فضیلت لے چکے ہوں۔ پھر ان اساتذہ کرام کو ایک ایک جامعہ / نصاب تعلیم کا نمائندہ بنا کر، ہر ہر کورس کے بارے ہفتوں مشاورت کر کے، ایک ایسا مثالی نصاب تشکیل دیا گیا جس میں ان تمام اسلامی جامعات کا تعلیمی تجربہ ملحوظ رہے۔ راقم ۲۰۱۱ء۔۲۰۱۲ء کے مسلسل دو سال جاری رہنے والے ان تعلیمی اجلاسوں میں سیکرٹری کے فرائض انجام دیتا رہا ہے۔ اب یہ سمیسٹر سسٹم پر مشتمل چار سالہ عالم دین کورس جو درس نظامی اور جدید تعلیمی روایات اور تقاضوں کا حسین مرقع ہے، گذشتہ چھ برس سے جامعہ ہذا میں بڑی کامیابی سے جاری وساری ہے۔

اس چار سالہ عالم کورس میں داخلہ کے لئے یوں تو ایف اے کی اہلیت درکار ہے، لیکن علوم اسلامیہ میں

وسیع تر مہارت کی ضرورت کی بنا پر، جس طرح سائنسی میدانوں میں اعلیٰ تعلیم کے لئے مڈل کے بعد سے طلبہ کا سائنس گروپ علیحدہ کر دیا جاتا ہے، اسی طرح جامعہ ہذا میں ایف اے کر کے آنے والوں کو دو سالہ تمہیدیہ / فاؤنڈیشن کورس بھی کرایا جاتا ہے۔ اور بوقتِ ضرورت اس میں میٹرک پاس طلبہ کو بھی داخل کر لیا جاتا ہے تاکہ دو سال میں ایسے طلبہ علوم اسلامیہ میں بنیادی اہلیت پیدا کرنے کے ساتھ ایف اے کی تعلیم بھی پوری کر لیں۔ پھر چار سالہ ایسا عالم دین کورس مکمل کریں جو درسِ نظامی کے ساتھ ساتھ، عالم اسلام میں مروّجہ تعلیمی ماڈل اور جدید عصری تقاضوں سے بھی ہم آہنگ ہے۔ طلبہ کے خالص تعلیمی تقاضوں کو پورا کرنے اور ان میں دینی رجحانات کی آبیاری کے لئے، اس چار سالہ کورس میں تعلیم اور قیام وطعام کو بالکل مفت مہیا کیا گیا ہے۔ عالم اسلام کی جامعات و مدارس میں مروّج بہت سی کتب ایسی ہیں جو بازار میں دستیاب نہیں، چنانچہ ایسے طلبہ کو نصابی کتب یا ان کی فوٹو کاپی بھی ایک چوتھائی قیمت پر مہیا کی جاتی ہے۔

جہاں تک ان طلبہ کی منظور شدہ اسناد کی بات ہے، تو جامعہ ہذا کے اس نظام ونصاب تعلیم کو سرکاری محکموں اور جامعات سے منظوری مل جانے کے باوجود، ابھی تک کامل سرکاری نظام کا حصہ نہیں بنایا گیا۔ کیونکہ سرکاری نظام میں بعض ایسی پیچیدگیاں ابھی موجود ہیں جو طلبہ کے عالم دین بننے کی منزل کی راہ میں رکاوٹ پیدا کرتی ہیں۔ تاہم اسی تعلیمی تجربے کی بنا پر جامعہ ہذا کو پاکستان کے اس واحد دینی جامعہ کا اعزاز حاصل ہے جہاں سرکاری سطح پر بی ایس سے اگلے مرحلہ کے ایم فل کی باقاعدہ منظور شدہ اسناد عطا کی جاتی ہیں، اور جامعہ کے درجنوں طلبہ یہ تعلیمی مراحل پورے کر چکے ہیں۔ ضرورت پڑنے پر ہفتہ بھر کے نوٹس پر جامعہ میں جاری اس نئے نظام تعلیم کو HEC کے منظور شدہ سرکاری چار سالہ بی ایس ماڈل میں منتقل کیا جا سکتا ہے۔

فی الوقت ان طلبہ کے پاس سرکاری اسناد حاصل کرنے کا آسان طریقہ یہی ہے کہ ایف اے مرحلہ کے بعد چار سالہ 'عالم دین کورس' کرنے والے طلبہ، شام کے اوقات میں میٹرک، ایف اے اور بی اے کے پرائیویٹ امتحانات کی تیاری کرتے ہیں، اور بطور پرائیویٹ اُمیدوار ہی سرکاری امتحان میں شریک ہوتے ہیں۔ اس سارے مجوزہ نظام تعلیم کی منزل یہ ہے کہ اگر پاکستانی حکومت، ایف اے اور بی ایس کے چار سالہ نصاب میں چند سہولتیں میسر کر دے تو مدارس کے روایتی نظام تعلیم کو بڑی حد تک قومی نظام تعلیم سے ہم آہنگ کیا جا سکتا ہے۔ یہاں یہ بتانا ضروری ہے کہ جامعہ لاہور الاسلامیہ میں جاری اس تجربے سے تاحال طلبہ کے عالم دین بننے کے معیار میں واضح بہتری دیکھنے میں آئی ہے اور جامعہ ہذا میں طلبہ کا دینی وعصری تعلیم وتربیت کا معیار بلند ہوا ہے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ خالص اپنے دین کے فروغ کے لئے کی جانے والی ان کوششوں کو بامراد فرمائے اور انہیں شرفِ قبولیت عطا کرے۔

ڈاکٹر حافظ حسن مدنی (مدیر التعلیم جامعہ لاہور الاسلامیہ)

تکفیر وجہاد اور حساس مسائل پر امام ابن تیمیہ عدالتی کٹہرے میں

ترتیب: سرحان عادل سرحان
مترجم: عبدالحنان کیلانی اُستاذ جامعہ لاہور الاسلامیہ، نیو گارڈن ٹاؤن، لاہور

دورِ حاضر میں کوئی بھی فتویٰ آپ کی نظر سے گزرے تو اس میں آپ کو بکثرت امام ابن تیمیہ (م ۷۲۸ھ) کے اقوال سے استدلال پڑھنے کو ملے گا۔ حقیقت یہ ہے کہ امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ پر اغیار کی بجائے اپنوں نے زیادہ مظالم ڈھائے ہیں۔ ان کی علمی آرا سے غلط استدلالات کیے گئے۔ ان میں زمان و مکان کی تفریق پیش نظر نہ رکھی گئی ہے۔ قدیم و جدید اَدوار کا خیال نہ کیا گیا۔ حالانکہ ابن تیمیہ ایک صاحبِ کمال شخصیت تھے۔ تمام علوم شریعہ کی گہرائی میں اُتر گئے تھے۔ ہر فن پر کمالِ مہارت کے ساتھ کلام کیا۔ یونانی منطق و فلسفہ میں لازوال درک حاصل کیا۔ صاحبِ انصاف لوگوں کا کہنا ہے کہ جب ابن تیمیہ علم و فن کے کسی بھی میدان میں اُترتے ہیں تو یوں محسوس ہوتا ہے کہ وہ بس اسی کے شاہ سوار ہیں۔

دورِ حاضر میں بعض ریاستیں تو صرف ابن تیمیہ کا لٹریچر رکھنے پر ہی پابندِ سلاسل کر دیتی ہیں۔ کچھ ریاستوں نے ابن تیمیہ کی مخصوص کتب اور بعض نے تو تمام کتب کی اشاعت پر پابندی عائد کر رکھی ہے۔ ان کے مطابق ابن تیمیہ کی دینی آرا سے ان کے جاری کردہ دینی موقف متاثر ہوتے ہیں۔

دوسری طرف یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے مختلف علوم میں چھوٹے بڑے چار ہزار سے زائد کرّاسے (مقالات) لکھے ہیں جنہیں 'مجموع فتاویٰ ابن تیمیہ' کی ۳۷ جلدوں میں جمع و تالیف کر دیا گیا ہے۔ ان کے مطالعہ سے مترشح ہوتا ہے کہ ابن تیمیہ مسلمانوں کے علمی و عملی مسائل سے کس قدر گہری واقفیت رکھتے تھے۔ ان کا فہم کنار ساتھا۔ وہ اُمت کو پیش آمدہ بحرانوں کا کس قدر مناسب حل تجویز فرماتے تھے اور ان کے صلہ میں انہیں کس قدر آزمائشوں اور مصائب سے گزرنا پڑا تھا۔ جمود و تعصّب نے ان کے لیے کتنی مشکلات پیدا کرنے کی کوشش کی۔

دوسری طرف یہ بھی حقیقت ہے کہ مشرقِ وسطیٰ میں کئی تنظیموں نے ابن تیمیہ کی آرا کا استحصال بھی کیا ہے۔ ان میں سابق مصری صدر انور سادات کو قتل کرنے والی جماعۃ الجہاد، شام و عراق کی الجماعۃ الإسلامیۃ اور الدولۃ الإسلامیۃ في الشام والعرق 'داعش' بھی شامل ہیں۔ اسی طرح شیخ رشید رضا نے اپنے مجلہ 'المنار' میں بھی افکارِ ابن تیمیہ کو پھیلانے کی کوشش کی ہے۔ برصغیر میں مولانا ابوالکلام آزاد، اور

جماعت اہل حدیث نے بھی ان کے بہت سے رسائل کے تراجم کر کے ان کو پھیلایا ہے۔

ذیل میں 'تکفیر، جہاد اور قتال' کے بارے میں امام ابن تیمیہ کی رائے جاننے کے لیے انہی کے لٹریچر کی روشنی میں ایک فرضی محاکمہ پیش کیا گیا ہے۔ جس میں وہ ان مسائل کے بارے میں جج کے سوالوں کا جواب دیتے ہیں، جس کے لئے امام ابن تیمیہ کی اکثر تحریروں کو من وعن پیش کیا گیا ہے۔ اس کا مقصد صرف حقائق کی درست تفہیم اور علمی وضاحت ہے۔

وکیل استغاثہ: وکیل استغاثہ عدالت میں پیش ہو کر درج ذیل دلائل دیتا ہے جن سے ثابت ہوتا ہے کہ ابن تیمیہ تشدد اور قتل وغارت کو ہوا دینے والے ہیں:

① فاضل جج صاحب! دورِ حاضر کی متشدد اسلامی تحریکیں زیادہ تر ابن تیمیہ کی علمی آرا کا سہارا لیتی ہیں جیسے داعش وغیرہ۔ یہ لوگ تکفیر وقتال میں شریعت کی بجائے ابن تیمیہ کے قول سے استدلال کرتے ہیں۔ اور ۳۷ جلدوں پر مشتمل مجموع فتاویٰ جو ان کی علمی آرا کا مجموعہ ہے، اس میں اسی طرح کے اقوال منقول ہیں۔ جن میں دو کتابیں بالخصوص قابل ذکر ہیں: ایک الصارم المسلول علی شاتم الرسول اور دوسری اقتضاء الصراط المستقیم لمخالفة أصحاب الجحیم ہے۔ ان دونوں کتب میں جداگانہ نوعیت کا فکری منہاج بیان کیا گیا ہے جس سے تشدد جنم لیتا ہے۔

② ابن تیمیہ کی اس فکر کے اثرات عرب سے دور دراز علاقہ ہندوستان پر بھی پڑے ہیں۔ مثلاً وہاں شاہ ولی اللہ جب ان کی فکر سے متاثر ہوتے ہیں تو ہندوستانی فقہا جو حنفی تھے، ان سے سخت مخالفت مول لیتے ہیں۔ پھر گزشتہ صدی میں وہاں سید ابوالاعلیٰ مودودی ان کے تجدیدی نظریہ سے متاثر ہوئے تو 'جماعتِ اسلامی' کی بنیاد رکھی۔

③ مصر میں بھی کئی اسلامی جماعتیں ان کی فکر سے متاثر ہوئی ہیں جیسے جماعة الجهاد ہے۔ جس نے سابق مصری صدر انور سادات کو قتل کیا تھا۔ اسی طرح شام وعراق میں داعش وغیرہ ہیں۔ شیخ رشید رضا بھی ابن تیمیہ کی فکر سے متاثر ہوئے اور اسے اپنے مجلہ 'المنار' میں شائع کرتے رہے۔ اسی وجہ سے میری معزز عدالت سے گزارش ہے کہ وہ ایسے شخص کے بارے میں کڑی سے کڑی سزا تجویز کرے جس کے افکار وفتاویٰ کی وجہ سے مسلمانوں کی اجتماعی زندگی میں تشدد نے جنم لیا ہے۔ اور جسے ہر متشدد گروہ سند کے طور پر پیش کرتا ہے۔

تاریخی واقعات

وکیل استغاثہ: میں معزز عدالت کے سامنے ابن تیمیہ کے کچھ ذاتی واقعات بھی پیش کر دیتا ہوں جن سے

اس بات کو تقویت ملے گی کہ وہ تشدد کو جنم دیتے ہیں۔

④ ۶۹۳ھ میں شام کی ایک بستی سویداء کے عیسائی نے رسول اللہ ﷺ پر زبان درازی کی تھی۔ ابن تیمیہ کی زیر قیادت لوگوں کے ایک بہت بڑے مجمع نے اس مجرم سے قصاص لینے کا مطالبہ کیا۔ ایک ترکی امیر نے عیسائی کی حمایت کی جس سے حالات بگڑ گئے۔ آخر کار ابن تیمیہ کو قید کرنا پڑا۔ اس واقعہ سے متاثر ہو کر اُنہوں نے اپنی مشہور زمانہ کتاب الصارم المسلول علی شاتم الرسول لکھی۔

⑤ شوال ۶۹۹ھ میں ابن تیمیہ اپنے ساتھ اہل حوران کے رضاکاروں کی ایک بہت بڑی تعداد لے کر جبل جرد اور کسروان والوں کے خلاف لڑائی کرنے کے لیے نکلے۔ ان کے بقول وہ نصیریہ کافر تھے۔ اُنہوں نے تاتاریوں کی معاونت کی تھی۔ وہ کافر، گمراہ اور اطاعتِ امیر سے خارج ہو چکے تھے۔

⑥ اور ۶۹۹ھ میں ہی ابن تیمیہ اپنے رفقا کے ساتھ نکلے۔ اُنہوں نے شراب کی دکانیں اور کلب بند کروا دیے جو تاتاریوں کی دمشق آنے کے بعد کھولی گئیں تھیں۔ موصوف نے شراب انڈیل دی، دکانداروں کو سزا دی اور انہیں آئندہ اس برائی سے منع کر دیا۔

⑦ ۷۰۱ھ میں حاسدین کی ایک جماعت نے ابن تیمیہ پر حدود اللہ کے قیام، تعزیر اور بچوں کے سر مونڈھنے پر اعتراض کیا۔ لیکن موصوف اپنی روش کو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا نام دیکر اس پر بضد رہے۔

⑧ ۷۰۴ھ میں ابن تیمیہ نے بعض جاہل صوفیا کو اپنے افعال و اعتقادات ترک کرنے کی تلقین کی۔ جیسے شیخ ابراہیم القطان تھے جو اپنی شکل حیوانوں جیسی بنائے ہوئے تھے اور جیسے محمد بن خباز بلاسی تھے جو محرمات کا ارتکاب کرتے تھے۔ اور اسی سال ابن تیمیہ دمشق کی تاریخی جامع مسجد کی طرف اپنے رفقا کے ساتھ گئے۔ ان میں سے کچھ سنگ تراش بھی تھے جنہیں اس چٹان کے کاٹ دینے کا حکم دیا گیا جس سے لوگ ڈرتے اور زیارت کیا کرتے تھے۔ ان کے بقول اُنہوں نے اس چٹان کو کاٹ کر مسلمانوں کو اس شرک سے نجات دلائی جس میں وہ مبتلا ہو چکے تھے۔

عدالتی استفسارات اور امام ابن تیمیہ کے جوابات

① قاضی :جی! آپ کا نام؟

ابن تیمیہ: احمد بن شہاب الدین ابو المحاسن عبد الحلیم بن مجد الدین عبد السلام بن ابو محمد عبد اللہ بن ابی القاسم الخضر بن محمد بن تیمیہ

② قاضی: آپ کا سال پیدائش اور جائے پیدائش؟

ابن تیمیہ: ۶۶۱ھ ۱۰ ربیع الاول، سوموار کا دن، بمقام حران (شام)

③ قاضی: آپ نے تعلیم کہاں سے حاصل کی اور آپ کے مشائخ کون ہیں؟

ابن تیمیہ: میں نے دو سو سے زائد مشائخ سے علم حاصل کیا ہے، جن میں چار خواتین اساتذہ بھی ہیں۔

④ قاضی: آپ نے کہاں اور کب تعلیم حاصل کی؟

ابن تیمیہ: ۶۶۳ھ میں 'دار الحدیث' دمشق سے تعلیم کا آغاز کیا۔ اور بائیس سال کی عمر تک میرے پاس چیف جسٹس اور ائمہ مذاہب آتے تھے۔ جیسے شافعی مسلک کے شیخ تاج الدین الفزاری تھے۔ اور عمر کے اسی سال میں جامع مسجد اُموی میں تفسیر و شرح کے لیے بیٹھ گیا تھا جو دمشق و شام کی سب بڑی اور مشہور مسجد تھی۔

⑤ قاضی: آپ کے تلامذہ میں سے کون ہیں؟

ابن تیمیہ: ابن قیم جوزیہ، امام ذہبی، امام ابن کثیر اور امام ابن رجب وغیرہ ہیں۔

⑥ قاضی: آپ کے نزدیک اسلام کیا ہے؟

ابن تیمیہ: اسلام وہ دین ہے جسے اللہ نے اپنی کتابوں اور رسولوں کے ذریعہ نازل کیا ہے۔ اس میں بندہ اللہ ربّ العالمین کے سامنے جھکتا اور اس کے اکیلے ہونے کا اقرار کرتا ہے۔ اسے وحدہ لاشریک تسلیم کرتا ہے۔ اس اکیلے کو ہی معبود مانتا ہے۔ اس کے علاوہ ہر معبود کی نفی کرتا ہے۔ سب سے افضل کلام اور اسلام کی اساس لا الہ الا اللہ کی گواہی دینا ہے۔ تکبر اور شرک اس کی ضد ہیں۔ اسی وجہ سے نوح علیہ السلام نے اپنے بیٹوں کو لا الہ الا اللہ اور سبحان اللہ کا حکم دیا اور اُنہیں تکبر و شرک سے منع کیا۔ میں کئی بار تحریر کر چکا ہوں کہ متکبر اس کی عبادت نہیں کرتا، وہ اسے تسلیم نہیں کرتا۔ جو شخص اسکی اور اس کے غیر کی عبادت کرتا ہے، وہ مشرک ہے۔ اس نے صحیح طریقے سے اسے تسلیم نہیں کیا۔ اسلام کا مطلب سلامتی ہے اور سلامتی سے مراد اخلاص ہے۔[1]

⑦ قاضی: آپ کا عقیدہ اور مذہب کیا ہے؟

ابن تیمیہ: میں تو کیا اگر کوئی مجھ سے بڑا عالم بھی ہو تو اس سے عقیدہ نہیں لینا چاہیے۔ وہ صرف اللہ، رسول سے لینا چاہیے یا اس رائے کو لینا چاہیے جس پر اسلافِ اُمت کا اتفاق ہو۔ یعنی قرآن جسے تسلیم کرنا لازم قرار دے اور جو صحیح احادیث سے ثابت شدہ ہو، جیسے بخاری و مسلم ہیں۔ مجھ سے مصر یا کسی بھی علاقہ کے کسی بھی شخص نے کبھی بھی آکر عقیدے کے بارے میں سوال کیا ہے تو میں نے ہمیشہ قرآن و سنت اور اسلافِ امت کے موقف کے مطابق جواب دیا ہے۔[2]

---

۱ رَأْسُ الْإِسْلَامِ: وَهُوَ شَهَادَةُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللهُ. وَلَهُ ضِدَّانِ: الْكِبْرُ وَالشِّرْكُ (مجموع فتاوى:۷/ ۶۲۳)

۲ فَمَا كَانَ فِي الْقُرْآنِ وَجَبَ اعْتِقَادُهُ وَكَذَلِكَ مَا ثَبَتَ فِي الْأَحَادِيثِ الصَّحِيحَةِ (مجموع فتاوى:۳/ ۱۶۱)

⑧ قاضی: آپ کی رائے میں تکفیر کیا ہے؟

ابن تیمیہ: سب سے پہلے تو تکفیر ایک وعید ہے۔ جس سے مراد کسی کے جہنم میں جانے کی گواہی دینا ہے۔ بعض ایسے اقوال بھی ہیں جن سے حدیثِ رسول ﷺ کی بظاہر تکذیب ہوتی ہے، لیکن اس کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ ایک آدمی نیا نیا مسلمان ہوتا یا اس کی تربیت غیر اسلامی خطوط پر ہوتی ہے تو ایسا شخص کسی حدیث کا انکار بھی کرے تو اس کی تکفیر نہیں کی جائے گی، پہلے اس پر حجت قائم کی جائے گی۔ اور کبھی ایسے بھی ہوتا ہے کہ ایک شخص نے شرعی نص سنی ہی نہیں ہوتی یا اگر سنی ہوتی ہے تو وہ اسے صحیح ثابت شدہ نہیں سمجھتا یا اس کے نزدیک کسی دوسری نص کے معارض ہوتی ہے۔ ایسی صورتوں میں بھی تکفیر نہیں کی جائے گی۔[1]

⑨ قاضی: آپ کی ان لوگوں کے بارے میں کیا رائے ہے جو آپ کے مخالف ہیں اور آپ کی طرف تکفیر کی نسبت کرتے ہیں؟

ابن تیمیہ: اہل سنت اور اہل علم اپنے مخالفین کی تکفیر نہیں کیا کرتے۔ چاہے مخالف ان کے بارے میں تکفیر کی رائے ہی کیوں نہ رکھتا ہو۔ کیونکہ تکفیر ایک شرعی حکم ہے۔ انسان کو اس طرح انتقام نہیں لینا چاہیے۔ جیسے کوئی شخص کسی پر بہتان طرازی کرے اور اس کی بیوی سے زنا کرے تو متاثرہ فریق کے لیے مناسب نہیں کہ وہ بھی انتقاماً ایسی ہی روش اپنائے۔ کیونکہ بہتان اور زنا حرام ہیں، یہ اللہ کے حقوق میں دخل اندازی ہے۔[2]

⑩ قاضی: تو پھر آپ کی ان لوگوں کے بارے میں کیا رائے ہے جو آج کشادہ دلی سے ہر ایک کی تکفیر کرتے پھرتے ہیں؟

ابن تیمیہ: میری صحبت میں بیٹھنے والا ہر شخص جانتا ہے کہ میں نے لوگوں کو سب سے زیادہ جس چیز سے منع کیا ہے وہ 'تکفیر معین' ہے۔ اسی طرح فسق ومعصیت کی تعیین سے منع کیا[3] ہے۔ البتہ جب کسی پر شرعی حجت قائم ہو جائے۔ اور شرعی حجت کا انکار کرنے والا کبھی کافر، کبھی فاسق اور کبھی عاصی ہوتا ہے۔ اور کئی بار یہ واضح کر چکا ہوں کہ علمی آرا میں سلف سے منقول تکفیر مطلق ہے، جو بالکل درست ہے۔ لیکن مطلق اور معین تکفیر میں فرق ہمیشہ ملحوظ خاطر رکھنا چاہیے۔[4]

---

١ لَا يَكْفُرُ بِجَحْدِ مَا يَجْحَدُهُ حَتَّى تَقُومَ عَلَيْهِ الْحُجَّةُ (مجموع فتاوى: ٣/ ٢٣١)

٢ أهل العلم والسنة لا يكفرون من خالفهم، وإن كان ذلك المخالف يكفرهم. (الرد على البكري: ٢٦٠)

٣ أَنِّي مِنْ أَعْظَمِ النَّاسِ نَهْيًا عَنْ أَنْ يُنْسَبَ مُعَيَّنٌ إِلَى تَكْفِيرٍ وَتَفْسِيقٍ وَمَعْصِيَةٍ (مجموع فتاوى: ٣/ ٢٢٩)

٤ ابن تیمیہ کی تکفیر کے بارے میں یہ رائے ہے۔ جبکہ آج جاہل لوگ ہر ایک کی تکفیر کرتے پھرتے ہیں۔ حالانکہ تکفیر معین حجت قائم ہونے کے بعد ہوتی چاہیے۔ اگرچہ معاشرے میں بعض بدعات شدید نوعیت کی ہوتی ہیں لیکن جو ایک بار ایمان لے آیا، اس کا کفر

⑪ قاضی: آپ کی ایسے گروہوں سے قتال کرنے کے بارے میں کیا رائے ہے جو اسلام کو جزوی طور پر لیتے ہیں؟ اور یہ کون ہیں؟

ابن تیمیہ: ہر ایسے گروہ کے خلاف جہاد و قتال کرنا فرض ہے جو اسلام کو جزوی طور پر لیتا ہے۔ اور ان سے اس وقت تک قتال کیا جائے جب تک وہ مکمل اسلام کو نہ اپنالے۔ چاہے وہ زبان سے کلمہ شہادت کا اقرار بھی کریں اور اسلام کی بعض تعلیمات پر عمل بھی کریں[1]۔ جیسے سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے مانعین زکاۃ کے خلاف قتال کیا تھا۔ جس میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم نے بھی آخر کار اتفاق کر لیا تھا۔ یہ اسلام کے حقوق کا مسئلہ اور کتاب وسنت پر کلی طور پر عمل کرنے کا مسئلہ تھا۔ چنانچہ ہر وہ گروہ جو فرضی نماز، روزہ، حج یا جان، مال، شراب اور زنا کی حرمت میں سے کسی چیز کا انکار کرے وہ ایسا ہی گروہ ہے جو اسلام کو جزوی طور پر لیتا ہے۔ ان سے قتال کیا جائے گا چاہے وہ اسلام کا اقرار ہی کیوں نہ کرتا ہو۔ یہ امت کا اتفاقی و اجماعی مسئلہ ہے اور محقق علما کے نزدیک ایسے اسلام پر جزوی عمل کرنے والے لوگ امام کے خلاف خروج کرنے والے یا باغیوں جیسے نہیں ہیں، نہ ہی ان اہل شام کی طرح امام کی اطاعت سے باہر نکلنے والے ہیں، جو امیر المؤمنین سیدنا علی کے خلاف نکلے تھے، کیونکہ یہ تو وہ لوگ تھے، جو ایک متعین حاکم کے خلاف نکلے تھے یا اس کی حکومت ختم کرنے کے لئے نکلے تھے۔ بلکہ یہ تو جزوی اسلام پر عمل کرنے والے دراصل امام کی بجائے اسلام سے نکلنے والے ہیں اور مانعین زکاۃ اور ان خارجیوں کی طرح ہیں، جن سے سیدنا علی نے لڑائی کی تھی۔

لہٰذا ایسا گروہ جو اسلام کی جزوی تعلیم کو مانتا ہے، ان کے خلاف قتال ان مانعین زکاۃ کی طرح یا خوارج کی طرح ہے جن کے خلاف حضرت علی رضی اللہ عنہ نے قتال کیا تھا۔ اور جائز قتال کی اصل درحقیقت جہاد ہے، جس کا مقصد اللہ کے دین کو کاملا اس کے لئے خالص کر دینا اور اس کے کلمہ کو سربلند کر دینا ہوتا ہے۔ جو شخص بھی اس کی راہ میں رکاوٹ بنے، (یعنی اسلام پر کامل عمل نہ کرے) تو اس کے خلاف قتال کرنے میں سب کا اتفاق ہے۔[2]

⑫ قاضی: آج بعض لوگ عورتوں، بچوں اور بوڑھوں کے قتل کو آپ کی طرف منسوب کیوں کرتے ہیں؟

ابن تیمیہ: بچوں، عورتوں، بزرگوں، اندھوں اور راہبوں میں سے جو قتال میں شرکت نہ کریں تو جمہور علماء کا موقف انہیں قتل نہ کرنے کا ہے۔ البتہ اگر وہ اپنے قول و فعل سے مقابلہ کی کوشش کریں تو ان کا قتل جائز

جحت کے بعد ہی ثابت ہوتا ہے۔ یعنی جحت قائم ہونے کے بعد بھی اگر وہ اپنے انکار پر بضد اور مصر رہے۔ یہ ایک 'اجماعی' مسئلہ ہے جس پر علماے امت کا اتفاق ہے۔

۱ يَجِبُ قِتَالُهُمْ حَتَّى يَلْتَزِمُوا شَرَائِعَهُ وَإِنْ كَانُوا مَعَ ذَلِكَ نَاطِقِينَ بِالشَّهَادَتَيْنِ (مجموع فتاوی: ۲۸/ ۵۰۲)

۲ الطَّائِفَةُ الْمُمْتَنِعَةُ تُقَاتَلُ عَلَيْهَا وَإِنْ كَانَتْ مُقِرَّةً بِهَا وَهَذَا مَا لَا أَعْلَمُ فِيهِ خِلَافًا (مجموع فتاوی ۲۸/ ۵۰۳)

ہے۔ اگرچہ بعض لوگوں کے ہاں بس ان کے کفر کی وجہ سے قتل کرنا جائز ہے۔ وہ بھی اس میں عورتوں اور بچوں کو مستثنیٰ کرتے ہیں۔ یہ قتل و قتال کی اجازت اللہ نے مخلوق کی اصلاح کی خاطر دے رکھی ہے۔ قرآن میں ہے کہ فتنہ قتل سے زیادہ بدتر ہے۔ یعنی اگرچہ قتل میں بھی شر و فساد ہے لیکن فتنۂ کفار کا شر و فساد اس سے کہیں بڑھ کر ہے۔ تاہم جو مسلمانوں کے لیے اقامتِ دین کی جدوجہد میں رکاوٹ نہ ہو، اس کا کفر نقصان دہ نہیں۔ اس کا کفر صرف اسی تک محدود ہے۔[1]

⑬ قاضی: آپ کا حکم بغیر ما أنزل الله کے بارے میں کیا موقف ہے؟ اور ان لوگوں کے بارے میں آپ کیا رائے رکھتے ہیں جو حکمرانوں کی تکفیر کرتے ہیں؟

ابن تیمیہ: حقیقت یہ ہے جو حکم بما أنزل الله کے وجوب کا قائل نہیں وہ کافر ہے۔ جو اللہ کے قانون کو چھوڑ کر فیصلے کے جواز کا اصلاً قائل ہے وہ کافر ہے۔ ہر اُمت کو عدل کے مطابق فیصلے کا حکم دیا گیا ہے۔ اور ہر اُمت کا عدل اس کے دین میں منحصر ہے۔ اور بعض لوگوں نے عدل اپنے دینی اکابر کی آرا کو بنا رکھا ہے، بہت سے لوگ خود کو مسلمان تو کہلاتے ہیں لیکن اپنی دیہاتی رسوم و رواجات یا ان کے قبائلی سرداروں کے احکام کے مطابق فیصلے کرتے ہیں جو اللہ کی شریعت کے مطابق نہیں، یہ سب کفر ہے۔[2]

⑭ قاضی: آپ کے نزدیک تکفیر کی شرائط کیا ہیں؟

ابن تیمیہ: اگر مسلمانوں میں سے کوئی غلطی یا خطا کرے تو اس کی تب تک تکفیر نہ کی جائے جب تک اس پر حجت قائم نہ ہو جائے۔ اس کے سامنے حجت واضح نہ کی جائے۔ اس کے بعد تکفیر کی کچھ شرائط اور موانع ہیں۔ تکفیر معین میں ان کا خیال ضرور رکھا جاتا ہے۔ تکفیر مطلق سے تکفیر معین بس اسی وقت لازم آتی ہے جب شرائط پوری ہوں اور موانع نہ پائے جائیں۔[3]

⑮ قاضی: آپ کی خوارج کے بارے میں کیا رائے ہے جو مسلمانوں کی تکفیر کے قائل ہیں؟

ابن تیمیہ: خوارج مارقین یعنی 'دین سے نکل جانے والے' ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے ان سے قتال کا حکم

---

١ وَأَمَّا مَنْ لَمْ يَكُنْ مِنْ أَهْلِ الْمُمَانَعَةِ وَالْمُقَاتِلَةِ كَالنِّسَاءِ وَالصِّبْيَانِ وَالرَّاهِبِ وَالشَّيْخِ الْكَبِيرِ وَالْأَعْمَى وَالزَّمِنِ وَنَحْوِهِمْ فَلَا يُقْتَلُ عِنْدَ جُمْهُورِ الْعُلَمَاءِ؛ إلَّا أَنْ يُقَاتِلَ بِقَوْلِهِ أَوْ فِعْلِهِ... (مجموع فتاوی: ٢٨/ ٣٥٤)

٢ فَعَلَى جَمِيعِ الْخَلْقِ أَنْ يُحَكِّمُوا رَسُولَ اللهِ ﷺ، لَيْسَ لِأَحَدٍ أَنْ يَخْرُجَ عَنْ حُكْمِهِ فِي شَيْءٍ سَوَاءٌ كَانَ مِنْ الْعُلَمَاءِ أَوْ الْمُلُوكِ أَوْ الشُّيُوخِ أَوْ غَيْرِهِمْ. (مجموع فتاوی: ٣٥/ ٣٦٣)

فَالشَّرْعُ هُوَ الْعَدْلُ وَالْعَدْلُ هُوَ الشَّرْعُ وَمَنْ حَكَمَ بِالْعَدْلِ فَقَدْ حَكَمَ بِالشَّرْعِ (أیضًا: ٣٥/ ٣٦٦)

٣ وَلَيْسَ لِأَحَدٍ أَنْ يُكَفِّرَ أَحَدًا مِنْ الْمُسْلِمِينَ وَإِنْ أَخْطَأَ إلَّا بَعْدَ إقَامَةِ الْحُجَّةِ وَإِزَالَةِ الشُّبْهَةِ. (١٢/ ٤٦٦)

دیا ہے۔ تاہم سیدنا علی بن ابو طالب، سعد بن ابی وقاص وغیرہ جیسے جلیل القدر صحابہ رضی اللہ عنہم نے ان کی تکفیر نہیں کی۔ اور ان سے قتال کرنے کے باوجود انہیں مسلمان ہی کہا ہے۔ اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے بھی تب ان سے قتال کیا تھا جب اُنہوں نے مسلمانوں کا خون بہایا اور مال لوٹ لیا۔ ان کے ظلم اور سرکشی کو ختم کرنے کے لیے ان سے قتال کیا۔ ان کی کفر کی وجہ سے نہیں۔ چنانچہ ان کی بیویوں کو لونڈیاں نہیں بنایا، ان کے مال کو غنیمت نہیں سمجھا۔ ان کی گمراہی نص اور اجماع سے ثابت ہونے کے باوجود صحابہ رضی اللہ عنہم نے ان کی تکفیر نہیں کی۔ حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے قتال کا حکم بھی دیا ہے۔[1]

⑯ قاضی: ہم آپ کے پیروکاروں میں توحید کا بہت تذکرہ سنتے ہیں۔ اس کی کیا وجہ ہے؟

ابن تیمیہ: ہمارا ایمان ہے جو اس کائنات کے نظام پر غور کرے گا اسے معلوم ہو گا کہ اس میں ہر خیر توحیدِ الٰہی، عبادت اور اطاعتِ رسول کی وجہ سے ہے۔ اور اس میں ہر شر جیسے فتنے، آزمائشیں، قحط اور دشمنوں کا تسلط وقبضہ وغیرہ یہ سب رسول کی مخالفت اور غیر اللہ کی دعوت کی وجہ سے ہے۔ جو اس میں غور کرے گا وہ اس حقیقت کو اسی طرح ہی پائے گا۔

⑰ قاضی: آپ کی صوفیا کے بارے میں کیا رائے ہے؟... وہ مسلمان ہیں یا کافر؟

ابن تیمیہ: لفظ صوفی پہلی تین صدیوں میں معروف نہیں تھا، یہ اس کے بعد مشہور ہوا ہے۔ صوفی کے مفہوم میں اختلاف ہے۔ ایک رائے کے مطابق قرشی ومدنی کی طرح یہ ایک نسبتی نام ہے۔ دوسری رائے کے مطابق یہ 'صوف' کا لباس پہننے والوں کو کہا جاتا ہے۔ صوفیت کا آغاز بصرہ سے ہوا تھا۔ عبد الواحد بن زید جو کہ صوفیا کا شیخ اور واعظ ہے، کے ساتھیوں نے سب سے پہلے خانقاہ بنائی تھی۔ بعد میں سیدنا حسن بصری وغیرہ نے ان سے اپنی نسبت قائم کرلی۔ صحیح بات یہ ہے کہ اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو اللہ کی اطاعت میں اسی طرح محنت کرتے ہیں جس طرح دیگر نیک لوگ کرتے ہیں۔ بعض ان میں سے اپنی محنت کی وجہ سے السابقون الأولون میں شامل ہو جاتے ہیں۔ کچھ مقتصد ہوتے ہیں جو اہل یمین بھی ہوتے ہیں۔ اور ان دونوں قسموں والوں میں سے بعض لوگ محنت کے دوران خطا بھی کھاتے ہیں۔ ان میں سے کچھ توبہ کرتے ہیں اور کچھ نہیں کرتے۔ اُنہیں ظالم لنفسہ کہا جاتا ہے۔ وہ اپنے ربّ کے نافرمان ہیں۔ بعض اہل بدعت اور زندیق لوگ بھی خود کو صوفی کہتے ہیں۔ لیکن محقق اہل تصوف انہیں تسلیم نہیں کرتے، جیسے منصور حلاج ہے۔ اس میدان کے اکثر مشائخ نے انہیں تسلیم نہیں کیا اور انہیں اس سے نکال دیا ہے۔ سید الطائفہ جنید بن محمد وغیرہ کی یہی رائے ہے۔[2]

---

١ وكَلَامُ عَلِيٍّ وَغَيْرِهِ فِي الْخَوَارِجِ يَقْتَضِي أَنَّهُمْ لَيْسُوا كُفَّارًا كَالْمُرْتَدِّينَ عَنْ أَصْلِ الْإِسْلَامِ (٢٨/ ٥١٣، ٥١٨)

٢ أَمَّا لَفْظُ "الصُّوفِيَّةِ" فَإِنَّهُ لَمْ يَكُنْ مَشْهُورًا فِي الْقُرُونِ الثَّلَاثَةِ وَإِنَّمَا اشْتُهِرَ التَّكَلُّمُ بِهِ بَعْدَ ذَلِكَ.. (١١/ ٥)

⑱ قاضی: کیا آپ اس سے پہلے جہاد و قتال کی سرگرمیوں میں شامل ہو چکے ہیں؟

وکیل صفائی: معزز عدالت سے التماس ہے کہ مجھے بولنے کا موقع دیا جائے۔ اس نکتہ کے حوالے سے میں اپنے موکل امام ابن تیمیہ کی طرف سے چند توضیحات پیش کرنا چاہتا ہوں۔

میرے موکل امام ابن تیمیہ نے اُمتِ مسلمہ کی بھلائی اور دفاع کے لیے عظیم خدمات سرانجام دیں ہیں۔ ۶۹۹ھ میں معرکۂ قازان میں جب شام پر محمود قازان کی زیر قیادت تاتاری یورش ہوئی تھی اور ناصر محمد بن قلاوون کی فوج شکست سے دوچار ہوئی تھی۔ اور تاتاریوں نے فواحش و منکرات اور قتل و غارت کا بازار گرم کر رکھا تھا تو تب ابن تیمیہ نے اعیان سلطنت اور علما کو جمع کیا۔ سب متفقہ طور پر قازان تاتاری کے پاس گئے اور اس سے اہل دمشق کے لیے امان طلب کی۔ سب کی موجودگی میں ابن تیمیہ نے وہاں قازان کے ساتھ سخت اور مدلل گفتگو کی، اس سے مسلمانوں کو بہت زیادہ فائدہ ہوا۔ پھر امام ابن تیمیہ دمشق آئے۔ اور امیر قلعہ ارجواش کو ہر حال میں قلعہ کی حفاظت پر آمادہ کیا۔ ارجواش نے آپ کی نصیحتوں پر عمل کیا۔ چنانچہ قلعہ ناقابل تسخیر ہو گیا۔ تاتاری کئی مہینے اسے فتح کرنے کی کوشش میں لگے رہے، آخر کار ناکام ہو گئے۔ قلعہ کی حفاظت سے اہل دمشق تاتاری حملہ سے محفوظ رہے۔ ابن تیمیہ ایک دفعہ پھر تاتاری سردار کے خیمہ کی طرف گئے۔ اسے مسلمان قیدیوں کی رہائی پر آمادہ کیا۔ بلکہ ابن تیمیہ نے اس کے سامنے مسلمانوں اور اسلام کے عفو و درگزر کی مثالیں بیان کیں۔ ذمیوں کے ساتھ اسلامی ریاست کا سلوک بیان کیا۔ ان عیسائیوں کو رہا کرنے کی بات کی جنہیں تاتاریوں نے بیت المقدس سے قید کر لیا تھا۔ بلکہ ذمیوں کی رہائی مسلمانوں کی رہائی کے ساتھ مربوط کر دی۔ قطلوشاہ جو کہ تاتاری کمانڈر تھا، وہ تمام قیدیوں کی رہائی پر آمادہ ہو گیا۔

دمشق پر تاتاری حملہ کے وقت امام ابن تیمیہ نے بہت اہم کردار کیا۔ وہ ہر رات دیواروں پر چڑھتے۔ عوام اور مجاہدین کو صبر و قتال کی تلقین کرتے۔ ان پر جہاد اور رباط کی آیات تلاوت کرتے۔ قلعہ کا دفاع مضبوط کرتے۔ لوگوں کی زندگیوں پر اس کا روحانی اثر پڑا۔ اُنہوں نے قتال میں صبر و ثبات کا مظاہرہ کیا۔

۷۰۰ھ / ۱۳۰۰ء میں جب شام پر ایک بار پھر تاتاری یورش کی اطلاعات مسلسل آ رہی تھیں تو دمشق کی فضا خوف زدہ تھی۔ لوگ اپنا سامان سفر باندھ رہے تھے۔ اشیا کی قیمتیں آسمانوں سے باتیں کرنے لگی تھیں۔ کئی اعیان سلطنت، علما اور قضاۃ شہر چھوڑ کر مصر کی طرف جا رہے تھے۔ ان حالات میں ابن تیمیہ جم گئے۔ دمشق کی جامع مسجد میں لوگوں کو خطبہ دیا۔ قتال، صبر اور ثابت قدمی کی تلقین کی، تاتاریوں کے خلاف لڑنا ان پر فرض کیا۔ لوگ پر سکون ہو گئے اور ان کے دل مطمئن ہو گئے۔[1]

---

1 امام ابن تیمیہ کے جہاد و قتال اور اس کے لیے تلقین و تبلیغ کی داستانیں ان کے سوانح نگاروں نے تفصیل سے لکھی ہیں، بطور مثال آپ کے شاگرد رشید امام ابن عبد الہادی کی کتاب العقود الدّریۃ (۱۹۶ تا ۲۰۷) ملاحظہ کی جا سکتی ہے۔

سیکولرزم کا تعارف و ارتقا اور مسلم دنیا پر اثرات

محمد زکریا رفیق[1]

سیکولرزم (Secularism) کا اُردو معنیٰ 'لادینیت' ہے۔ سیکولرزم 'ایسی دُنیویت کو بھی کہتے ہیں جس کا آخرت یا دین سے کوئی تعلق نہ ہو'۔ سیکولر انسان 'وہ ہوتا ہے جو مذہبی نہ ہو'۔ سیکولر نظریہ 'وہ ہے جو دین یا مذہبی پیشوائیت کا پیش کردہ نہ ہو۔'

انسائیکلوپیڈیا آف برٹانیکا کے مطابق:

"سیکولرزم ایک اجتماعی تحریک ہے جس کا مقصد لوگوں کو آخرت کی توجہ سے یکسر ہٹا کر فقط دنیا کی طرف متوجہ کرنا ہے۔"

امریکی انسائیکلوپیڈیا کے مطابق:

"سیکولرزم ایک ایسا اخلاقی نظام ہے جو آسمانی ادیان سے ہٹ کر اپنے اُصول و قواعد رکھتا ہے۔"

سیکولرزم کا ایک معنی ہے: فَصْلُ الدِّیْنِ عَنِ الدَّوْلَةِ اَوِ الْمُجْتَمَعِ

دین کو معاشرہ یا ریاست سے جدا کرنا

معاشرہ یا ریاست کو دین کے علاوہ کسی چیز پر اُستوار کرنا

دین کو عملی زندگی سے الگ کرنا یا عملی زندگی کو غیر دینی بنیادوں پر قائم کرنا۔

سیکولرزم کی بڑی بڑی اقسام یہ ہیں:

سیکولر سیاست جیسے مغربی جمہوری نظام یا کمیونزم

سیکولر معاشرت جیسے مرد و زن کی مغربی مساوات، حقوقِ نسواں کے مغربی تصورات

سیکولر اقتصاد جیسے مغربی سرمایہ دارانہ نظام یا سوشلزم

---

[1] فاضل علوم شرعیہ، جامعہ محمدیہ گوجرانوالہ... محقق شعبہ سیرت، دار المعارف، مسجد مبارک، ریلوے روڈ، لاہور
فاضل مقالہ نگار نے ڈاکٹر سفر الحوالی کی معروف زمانہ ضخیم کتاب العلمانیۃ کا اردو زبان میں ترجمہ کیا ہے، جو دو سال قبل شائع ہوا۔

سیکولر تعلیم جو دینی اہداف وطریق کار سے آزاد ہو، جو وحی کو حجت تسلیم نہ کرے
سیکولر اخلاق جو انسان کے لیے کسی بھی مستقل قدر کو تسلیم کرنے سے انکار کرے
سیکولر فن وادب جیسے رومانویت، واقعیت اور لامعقولیت کے ادبی فنی مکاتبِ فکر وغیرہ

بعض لوگوں کا خیال ہے کہ "سیکولرزم ایک سائنسی طرزِ فکر ہے جو مذہب سے ہٹ کر سوچنا سکھاتی ہے۔ مذہب جن اُمور میں خاموش ہوتا ہے یا براہِ راست کوئی راہنمائی نہیں کرتا، وہاں پر غیر مذہبی یعنی سائنسی انداز سے سوچنا سیکولرزم ہے اور یہ دین کے منافی نہیں۔" سیکولرزم کا یہ معنی انتہائی محدود ہے اور کئی قسم کے مغالطوں کا مجموعہ ہے۔

بعض لوگوں کا خیال ہے کہ سیکولر سیاست اقلیتوں کو تحفظ دیتی ہے کیونکہ وہ کسی مذہب کی حامی نہیں ہوتی اور یہ اسلام کا بھی حکم ہے کہ اقلیتوں کو تحفظ دیا جائے۔ سیکولرزم کا یہ مفہوم بھی ایک مغالطہ ہے کیونکہ سیکولرزم صرف اقلیتوں کے تحفظ کا نام نہیں بلکہ بے شمار لادینی اہداف وطریق ہائے کار کا نام ہے جن کا دین اسلام سے کوئی تعلق نہیں۔

مختلف افراد اور حکومتیں دین کے متعلق مختلف رویے اپناتی ہیں۔ اُن میں دو رویے زیادہ اہم ہیں:

① بعض دین سے چشم پوشی کرتی ہیں جیسے لبرل ڈیموکریٹک حکومتیں۔ اِن حکومتوں کے نظام کو دین مخالف سیکولرزم (non religious) کہتے ہیں۔ یہ ایسے معاشروں پر مشتمل ہوتا ہے جو لادین ہیں لیکن بظاہر دین کے دشمن نہیں جیسے امریکہ، برطانیہ اور فرانس کے نظام ہائے حکومت۔

② بعض سیکولر حکومتیں دین کی دشمن ہوتی ہیں اور کسی بھی صورت دین کو برداشت کرنے کے لیے تیار نہیں ہوتیں، اُن کے نظام کو انتہا پسند سیکولرزم (Anti religious) کہا جاتا ہے۔ اِس قسم کا سیکولرزم رُوس میں قائم ہوا۔

سیکولرزم تین سطحوں پر قائم ہوتا ہے:

① فرد کی سطح پر: جب اُس کی مکمل توجہ دنیا پر محدود ہو جائے اور دین کو عملی زندگی سے یکسر الگ کر دے۔ وہ آخرت کی ضرورت اور تاثیر سے مکمل علیحدگی اختیار کرے۔

② معاشرے کی سطح پر: جب معاشرے کو تعلیم، اخلاق، تہذیب وثقافت، سیاست واقتصاد، ادب ومیڈیا کے میدان میں دین سے علیحدہ کر دیا جائے۔

③ ریاست کی سطح پر: جب اُس کے تمام انتظامی، قانونی اور عدالتی ادارے غیر دینی بنیادوں پر قائم ہوں۔

یہ بات بالکل واضح ہے کہ اسلام میں سیکولرزم کی دونوں اقسام کی کوئی گنجائش نہیں۔ ہر وہ فکر جو اپنی مبادیات اور تطبیقات میں دینی نہ ہو، وہ دین مخالف ہے۔ چنانچہ اسلام اور سیکولرزم دو ایسے نقیض ہیں جو کبھی اکٹھے نہیں ہو سکتے اور اُن کے درمیان کوئی واسطہ نہیں۔

اسلام ایک مکمل ضابطہ حیات ہے!

اسلام فقط مسجد و مدرسے اور نماز روزے تک محدود نہیں بلکہ وہ مکمل زندگی کا احاطہ کرتا ہے، چاہے وہ سیاست ہو یا قانون، گھر بار ہو یا کاروبار، نظام تعلیم ہو یا میڈیا وادب، داخلہ پالیسی ہو یا خارجہ وغیرہ۔ اسلام انفرادی واجتماعی زندگی کے تمام شعبوں پر اپنے احکامات لاگو کرتا ہے۔ اس میں دین اور دنیا الگ الگ نہیں۔ دین دنیا کے تمام شعبوں میں داخل ہے اور دنیا دینی واُخروی فضائل کو حاصل کرنے کا ذریعہ ہے۔ اسلام مادی علوم اور مادی ترقی کے بھی خلاف نہیں بشرطیکہ وہ دین کے ماتحت ہو، بالاتر نہ ہو۔

یورپ میں سیکولرزم کا ارتقا

جدید سیکولرزم کا آغاز وارتقا یورپ میں ہوا۔ جس کے دو بڑے مرحلے ہیں:

پہلا مرحلہ: جزوی سیکولرزم (۱۶۰۰۔۱۸۰۰ء): اس دور میں دین بتدریج نجی و شخصی معاملہ بن گیا لیکن ریاست ابھی بھی کلیسا کا تحفظ کرتی تھی اور اُس کی وصولیوں کے نظام کی سرپرستی کرتی تھی۔ لوگ مسیحیت کو حیثیت تو دیتے تھے لیکن وہ اس کی بعض تعلیمات کا انکار کرتے، مسیحیت کو عقل کے تابع کیا جانے لگا۔ اس دور میں 'ڈی ازم' کا نظریہ عام ہوا جو اللہ کے وجود کا اعتراف کرتا لیکن وحی اور الٰہی تعلیمات کو من گھڑت قرار دیتا۔ یہ جزوی سیکولرزم کا دور تھا جس میں معاشرتی سطح پر دین کی شکست وریخت جاری رہی۔ اس دور کے بڑے مفکرین والٹیر، جان لاک، ہوبز، ڈیکارٹ، بیکن، سپائی نوزا اور روسو وغیرہ ہیں۔

دوسرا مرحلہ: کلی سیکولرزم (۱۸۰۰ تا حال): یہ سیکولرزم کے ہمہ گیر غلبے کا دور ہے۔ اس دور میں دین کو مکمل طور پر لغو قرار دیا گیا، غیبی اُمور سے انکار کیا گیا۔ اس دور میں ریاست نے کلیسا کی سرپرستی ختم کر دی۔ دین سے انحراف والحاد وبا کی صورت میں پورے یورپ پر چھا گیا۔ ریاست کے تمام شعبے سیاست، اقتصاد، تعلیم، معاشرت، اخلاق اور فنون وآداب دین سے آزاد ہوتے چلے گئے۔ یہ مکمل سیکولرزم کا دور ہے جب انفرادی، معاشرتی اور ریاستی سطح پر مسیحیت کی عمارت زمین بوس ہو گئی۔ اس دور کے مشہور مفکرین یہ ہیں: ہیگل، فیرباخ، ڈارون، فرائڈ، مارکس، ہیوم، کانٹ، وٹنگسٹائن، رالز وغیرہ

سیکولرزم اور عقل پرستی لازم ملزوم ہیں۔ کیونکہ وحی کے انکار کے بعد ضابطۂ حیات کا سب سے بڑا ماخذ عقل قرار پاتی ہے۔

عالم اسلام میں اسلام اور سیکولرزم کی کشمکش

① سیکولرزم کے نزدیک دین کو زندگی کے ہر شعبے میں لاگو کرنا ضروری نہیں؟

سیکولرزم کے حامی کہتے ہیں کہ دین انسان اور ربّ کا انفرادی معاملہ ہے، دین کا اجتماعی اور سیاسی زندگی سے کوئی تعلق نہیں۔ کبھی وہ کہتے ہیں، دین جدید دور کے حالات کا ساتھ نہیں دے سکتا۔

② سیکولرزم کے حامی سود، پردہ، حدود الٰہی وغیرہ سے متعلق دینی احکامات کو لاگو کرنا ضروری نہیں سمجھتے۔ اُن کے نزدیک اِن احکام پر عمل درآمد کرنا رجعت پسندی، تعصب اور تنگ نظری ہے۔ یہ اُمور تہذیب، ترقی اور روشن خیالی کے منافی ہیں۔

③ سیکولرزم کے حامی ادیان کو برحق نہیں سمجھتے۔ وہ بظاہر تمام ادیان کا احترام کرتے ہیں لیکن اُن کے نزدیک کوئی دین دوسرے دین سے زیادہ معتبر نہیں۔ اُن کی پوری کوشش ہوتی ہے کہ مختلف ادیان کے حاملین کے درمیان ایک قسم کی دوستی پیدا کی جائے۔

یہ بات اسلام کی حیثیت کے عین منافی ہے۔ اللہ کے ہاں قابل قبول دین فقط اسلام ہے۔ نیز اسلام اپنے مخالفین سے محبت و نفرت اپنے اُصول و قواعد کے مطابق سکھاتا ہے۔

④ سیکولرزم کے حامی دین کے داعیوں اور علما کا دائرہ زیادہ سے زیادہ تنگ کرتے ہیں تاکہ اُن کا معاشرتی اثر ورسوخ کم کیا جائے۔ وہ انھیں پس ماندہ، تنگ نظر اور جامد قرار دیتے ہیں۔ سیکولرزم کے حامی جہاد کی بجائے فقط ایسی دفاعی جنگ کے قائل ہوتے ہیں جو مادی مفادات کے لیے ہو، وہ دین کے غلبہ کی جنگ کو شر اور فساد قرار دیتے ہیں۔

⑤ سیکولرزم کے حامی دین کی بجائے وطن، قوم، رنگ، نسل اور قومی مفاد کے نام پر لوگوں کو اکٹھا کرتے ہیں۔ سیکولر پارٹیوں میں دین کی بنیاد پر کوئی تقسیم نہیں ہوتی بلکہ دیگر مفادات و معیارات پر تقسیم عمل میں لائی جاتی ہے۔

⑥ سیکولرزم کا ہم نوا علما کا طبقہ، جدیدیت پسند ہوتا ہے جو اسلام کو کھینچ تان کر مغرب کے مطابق قرار دیتا ہے یا مغرب کے اُصولوں کو اسلام کی اصلی تصویر سمجھتا ہے۔

⑦ سیکولرزم کے حامی ثانوی درجے کے دینی مسائل پر خوب توجہ دیتے ہیں، لیکن اسلام کے بنیادی اور مہتم بالشان مسائل نظر انداز کر دیتے ہیں۔ وہ دین کے فروعی اختلافی مسائل کو نمایاں کرتے ہیں لیکن دین کے متفقہ اور اجماعی اُمور نظر انداز کر دیتے ہیں۔

⑧ سیکولر میڈیا میں دینی پروگراموں کا حصہ پانچ فیصد سے بھی کم ہوتا ہے اور ۹۵ فیصد حصہ تفریحی یا معلوماتی پروگراموں پر مشتمل ہوتا ہے۔ سیکولر میڈیا کے دینی پروگرام اپنے معیار کے لحاظ سے انتہائی گھٹیا اور محدود موضوع کے حامل ہوتے ہیں۔ سیکولر پرنٹ میڈیا میں دین کی حیثیت ایک صفحے پر مشتمل ہوتی ہے جو 'دینی صفحہ' کہلاتا ہے۔ اِس کی وجہ یہی ہے کہ سیکولر لوگ دین کو فقط روحانی اُمور یا انفرادی زندگی تک محدود سمجھتے ہیں۔

⑨ سیکولر نظام تعلیم میں دینی علوم کی نفی بجائے، ان کو نماز روزے اور شخصی عقائد ورسومات تک محدود کر دیا جاتا اور ان کا نصاب چند درقوں پر مشتمل رسالہ ہوتا ہے۔ جو کبھی غیر علما اور کبھی غیر مسلم مفکرین کا تحریر کردہ ہوتا ہے۔ سیکولر جامعات میں مذہبی علوم ایک ڈیپارٹمنٹ پر مشتمل اور یونیورسٹی کے کونے کھدرے میں پائے جاتے ہیں، ان کو کسی دین سے منسوب علوم جیسے اسلامیات وعیسائیت کی بجائے زیادہ مناسب طور پر 'تھیالوجی' یا 'مذہبی علوم کا شعبہ' کہا جاتا ہے۔ ان میں کوئی اس مذہب سے غیر وابستہ جیسے ہندو شخص بھی ان علوم جیسے اسلامیات کی ڈگری حاصل کر کے، مستند وفاضل ٹھہر سکتا ہے، کیونکہ مذہبی علم کو معروضی طور پر عمل وپیروی سے بالاتر ہو کر پڑھا پڑھایا جاتا ہے۔ ایسے تعلیمی شعبوں میں تمام مذاہب کے مابین رواداری کی تلقین کرتے ہوئے، تمام مذاہب واہل مذاہب کو ایک میز پر ایک یکساں اور متفقہ حق کی جستجو میں مگن دیکھا جاسکتا ہے۔ یہاں کام کرنے والے لوگ کسی مذہب کی حقیقت پر یقین رکھنے کی بجائے مذاہب کی مشترکہ سچائیاں تلاش کر کے ایک عالمی مذہب بنانے میں کوشاں نظر آتے ہیں۔ یونیورسٹی کے باقی تمام علوم کے شعبوں میں بھی حسب ضرورت متعلقہ مذہب کی عبادات واخلاق پر مشتمل ایک رسالہ زیر تعلیم ہو سکتا ہے، لیکن کسی مخصوص علم کی رہنمائی اور اس کے بارے میں الہامی تعلیم کے بارے میں کوئی دلچسپی نہیں رکھی جاتی۔

⑩ عالم اسلام میں سیکولرزم کے مشہور داعی یہ ہیں:

مصر: احمد لطفی، اسماعیل مظہر، قاسم امین، طہ حسین، جمال عبد الناصر، انور سادات

ترکی: مصطفی کمال اتاترک، وغیرہ

ہندوستان میں ۱۷۹۱ء تک قانونِ سلطنت شریعت اسلامی کے مطابق تھا، پھر انگریز کی حکومت میں بتدریج شریعت کو معطل کیا گیا اور ۱۸۵۰ء تک یہ عمل مکمل ہو گیا۔

مصر، الجزائر، تیونس، مراکش، ترکی، عراق اور شام میں بھی اسی طرح شریعت کو بتدریج لغو کیا گیا۔

⑪ نظری طور پر سیکولر نظام حکومت کے تین اہم عناصر ہوتے ہیں: مقننہ، انتظامیہ اور عدلیہ

عملی طور پر نظامِ حکومت اشرافیہ کا ہو یا جمہوریہ کا، فوجی آمریت کا ہو یا شہری آمریت۔ دین کے الغا پر تمام سیکولر حکومتیں متفق ہوتی ہیں۔

یورپ میں سیکولرزم کی ابتدا کیسے ہوئی؟

یورپ میں سیکولرزم کی آمد سے قبل عیسائیت رائج تھی لیکن یہ دین عیسیٰ علیہ السلام کی وفات کے بعد ہی پولس کے ہاتھوں تحریفات کا شکار ہو گیا۔ تثلیث اور عیسیٰ علیہ السلام کو خدا کا بیٹا قرار دینا بنیادی ترین تحریفات تھیں۔

عیسائیت کی تحریف: عیسائیت سے قبل روم میں ایسے دیوتاؤں کی پوجا کی جاتی تھی جن کا عوام کی عملی زندگی پر کوئی اثر نہ تھا۔ دیوتاؤں کی مندروں میں پوجا پاٹ کی جاتی لیکن عوام مندروں سے باہر اپنی عملی زندگی میں آزاد ہوتے۔ رومی عوام نے عیسائیت کو قبول کیا تو صورتِ حال کچھ زیادہ تبدیل نہ ہوئی۔ عیسوی شریعت کو سرکاری سطح پر نفاذ کا کبھی موقع نہ ملا اور وہ عوام کی عملی زندگیوں پر بھی لاگو نہ ہو سکی۔ کلیسا نے سیاسی مقبولیت تو حاصل کر لی لیکن دین اور ریاست کی تفریق مکمل عیسوی تاریخ میں قائم رہی بلکہ کلیسا نے اِسے ایک اُصول کے طور پر بھی قبول کر لیا۔

عیسائیت میں سب سے بڑی بدعت مذہبی پیشوائیت تھی۔ اسی بدعت کے تحت اللہ کے حلال و حرام میں مداخلت کی گئی، انسانوں کو ربّ تک پہنچنے کا ذریعہ قرار دیا گیا اور غیر فطری انسان کش رہبانیت کو جنم دیا گیا۔ عیسائی مذہبی پیشوائیت نے لوگوں کو بخشش اور محروم کرنے کا اختیار انسان پادریوں کے سپرد کیا جو پیسوں کے بدلے بخشش کے سرٹیفکیٹ کھلے عام فروخت کرتے۔

کلیسا کا جبر اَدیان کی تاریخ کا بدترین جبر تھا۔ اُس نے اپنے دنیوی مفادات کے لیے ظالم بادشاہوں کی پشت پناہی کی، روم کی اَن پڑھ جاہل عوام کو صدیوں تک اپنا غلام بنایا۔ مخالفین پر محکمہ تفتیش کے ذریعے ظلم و ستم کا بازار گرم کیا۔ کلیسا کے طرف سے صدیوں تک کئی قسم کے مذہبی و معاشی ٹیکس وصول کیے گئے جو عوام پر بھاری بوجھ تھے۔ عوام کے لیے سب سے زیادہ تکلیف دہ بات یہ تھی کہ کلیسا حیا، زہد، معافی اور درگزری کی تعلیمات کی خود خلاف ورزی کرتا۔ وہ بادشاہوں سے بڑھ کر ظالم، عیاش اور مال پرست ثابت ہوا۔

کلیسا کے خلاف تحریکیں: کلیسا کی ان خرابیوں کے خلاف بڑی بڑی عوامی اور عقلی تحریکیں اُٹھ کھڑی ہوئیں جیسے مارٹن لوتھر کی تحریک اصلاحِ مذہب اور تحریک احیاے علوم۔ اُمرا اور بادشاہ جو کلیسا کی طاقت سے خائف تھے، نے اِن کا ساتھ دیا۔ کلیسا کا زور بتدریج ختم ہوتا چلا گیا اور ردِّ عمل میں سیکولرزم کا آغاز ہوا۔ جدید علم نے خرافات پر مبنی مذہبی عقائد کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیے۔ کاپر نیکس نے اس کلیسائی عقیدے پر ضرب لگائی کہ زمین کائنات کا مرکز ہے۔ برونو اور گلیلیو نے اس کام کو مزید آگے بڑھایا۔ لوگوں کے ہاں کلیسا کا علم مشکوک ہو گیا۔ ڈیکارٹ، بیکن اور لاک نے وحی کے مقابلے میں عقل و تجربے کی عظمت کو پیش کیا۔ سپائی نوزا اور پاسکل نے اناجیل میں فاش غلطیاں پکڑیں۔ نیوٹن نے کائنات کا ریاضی اُصولوں کے مطابق ہونا ثابت کیا۔ پورے یورپ میں ڈی ازم کی تحریک چلی کہ خدا نے کائنات کو پیدا کیا لیکن وہ کائنات سے لاتعلق ہے۔ کائنات اپنے اصولوں کے مطابق خود بخود چل رہی ہے۔ یہی نظریہ بعد میں خدا کے انکار تک پہنچا۔ عقل پرستی اور فطرت پرستی کے اندھے رجحانات وحی اور کتاب مقدس پر غالب آئے۔

انقلاب فرانس: انقلابِ فرانس (۱۷۸۹ء) تک کلیسا اور علم کی کشمکش خواص تک محدود تھی لیکن انقلاب فرانس کے بعد عوام تک پھیل گئی۔ عوام نے دین کو ترک کیا اور اُس کی دشمنی میں دیوانے ہو گئے۔

انقلاب فرانس ایک خون ریز انقلاب تھا جو بادشاہوں، جاگیرداروں اور مذہبی پیشواؤں کے ظلم و استحصال کے خلاف پیدا ہوا۔ یہ یورپ کا پہلا انقلاب تھا جس نے عوام کی حاکمیت پر مبنی حکومت قائم کی اور اللہ کی حاکمیت کا صریح انکار کیا۔ بادشاہوں اور کلیسا کے خزانے لوٹ لیے گئے۔ دینی عقائد کا شدت سے انکار کیا گیا۔ انقلاب سے قبل معاشرتی و سیاسی مفکرین نے فطری اور مثالی ریاست کے لادین نظریات پیش کیے۔ فلاسفہ نے دین سے آزادی کی دعوت دی جو خالص زندیقیت تھی۔ عوام لادین مفکرین اور فلاسفہ کے ہم نوا ہو کر کلیسا کے خلاف اُٹھ کھڑے ہوئے۔ لادینیت پر مبنی آزادی، مساوات اور اُخوت کے تصورات 'بنیادی انسانی حقوق' کہلائے۔ انقلابِ فرانس کے بعد یورپ کے تمام حصوں میں انقلابات جو الہ مکھی کی طرح پھٹ پڑے۔ دین اور کلیسا کا اثر و رسوخ ختم ہو گیا۔ عقائد اور اقدار میں خوف ناک خلا پیدا ہوا جس کو لادین فکری معاشرتی اور سیاسی تحریکوں نے پر کرنے کی کوشش کی۔

ڈارون تھیوری: دین کے تابوت میں آخری کیل ڈارون کے نظریۂ ارتقا (۱۸۵۹ء) کے ذریعے ٹھوکا گیا۔ ڈارون نے یہ تھیوری پیش کی کہ انسان کائنات کی اندھی قوتوں کے تحت بندر سے بتدریج انسانی نوع کی شکل اختیار کر گیا۔ اس کی کوئی خاص تخلیق نہیں اور نہ کوئی مخصوص ہدف۔ یہ کوئی باقاعدہ علمی نظریہ نہ تھا لیکن یورپ کی دین

بے زار فضا میں اس کو مسلّم قاعدہ سمجھا گیا۔ یورپی ماہرین نے اِس نظریے کی فنی و منطقی تردید کی اور اس کے کئی حصے ابھی بھی محتاجِ ثبوت ہیں لیکن انکار خدا کے شدید تقاضوں کے زیر اثر عوام میں بے حد مقبول ہو گیا۔ مستقل اقدار اور اخلاق کا تصور ختم ہو گیا۔ نطشے، مارکس اور فرائڈ جیسے دہریے اور دین کے پکے دشمن یورپ کے امام ٹھہرے جو زندگی کو مادہ پرستی اور جنس پرستی میں غرق کرنے کی دعوت دیتے تھے۔ انسانی علوم مقصد وغایت سے جدا ہو کر بے ہدف میکانزم پر استوار کیے گئے۔ انسانی نسل کا ایسا خوف ناک فکری وجذباتی بحران برپا ہوا کہ یورپ کا فن وادب محرومی اور قلق کے کرب ناک احساسات سے بھر گیا۔ انسان کی حیوانیت اور مادیت مسلم ہوئی تو اقتصاد، سماجیات اور نفسیات کے علوم حرص وہوس اور شہوانیت سے لبریز ہو گئے۔ دین، شادی اور خاندان کو انسان کے قدیم دور کی خرافات کہا گیا۔ جدید علم کا دور بزعم خود انسان کے بنائے ہوئے اِن من گھڑت خیالات کی گنجائش نہیں رکھتا۔

یورپی شعبہ ہائے زندگی میں سیکولرزم کا ارتقا

سیاست: مسیحی دور میں کلیسا کو انتہائی قوت نصیب ہونے کے باوجود عیسوی شریعت ملکی قانون نہ بن سکی۔ لیکن اس کے باوجود مسیحیت کا شہنشاہوں اور عوام کی زندگی پر بڑا گہرا اثر ہوتا تھا۔ شہنشاہ دین پر عمل نہ کرتے تھے لیکن خود کو دین کا سپاہی مانتے اور ملک میں دین کی مکمل سرپرستی کرتے۔ کلیسا کو شاہوں کے زیر سایہ دین کو پروان چڑھانے کی مکمل آزادی تھی اور اُن کا شاہوں کو عوامی مقبولیت دلانے میں خاص کردار ہوتا۔

یورپی سیاست میں لادینیت کی ابتدا اُس وقت ہوئی جب یورپی مفکرین نے ایک تخیلاتی ریاست کا نقشہ پیش کیا۔ اس نقشے میں دین کے بغیر ایک عمدہ ریاست کا امکان پیش کیا گیا۔ اس کے بعد 'معاہدۂ عمرانی' کا تصور پیش ہوا کہ ریاست عوام اور حکمران کی باہمی رضامندی اور معاہدہ پر مبنی ہوتی ہے۔ معاہدۂ عمرانی کے قائلین میں سب سے بڑا مفکر روسو تھا۔ روسو نے ریاست کو دین سے الگ قرار دینے پر زور دیا۔ روسو کی کتابیں مذہب کے خلاف اعلانِ جنگ تھیں۔ انقلابِ فرانس کے ساتھ ہی لادینیت وطنیت، قومیت اور دنیویت کو مقبولیت ملی اور مسیحیت، دینی عالم گیریت اور اُخرویت کو زوال آگیا۔ مسیحی دور میں میکیاولی نے ریاست کو دین، انسانیت، اخلاق اور اُصول سے یکسر آزاد قرار دیا۔ کلیسا نے اُس کی کتابوں پر پابندی لگائی لیکن یورپ میں الحاد عام ہوتے ہی اُس کو پھر عروج نصیب ہوا۔

یورپ میں دین کے زوال کے ساتھ ہی اجتماعی نظام کی جگہ انفرادی نظام غالب آگیا یعنی دینی قوم، دین کا محافظ بادشاہ، زرعی جاگیر دار اور کلیسا جو وسیع دینی اجتماعیت کی علامات تھیں، اُن کے بجائے انفرادی سرمایہ

داری، انفرادی منفعت اور انفرادی حریت غالب آگئی۔ اس انفرادی نظام کو لادین لبرل ڈیموکریسی کہا گیا۔ اس کا سب سے بڑا دعویٰ تھا کہ وہ فکری، معاشرتی، معاشی اور سیاسی آزادیاں اور حقوق دیتا ہے۔ انقلابِ فرانس کے بعد یہ یورپ کا مقبول ترین نظام تھا لیکن جلد ہی پتہ چل گیا کہ ڈیموکریسی سرمایہ داروں کا عوام کو دبانے اور پیسنے کا ایک آلہ ہے۔ یہ مال داروں کی آمریت ہے۔ اس میں سرمایہ دار میڈیا کے ذریعے عوام کی رائے کو گمراہ کیا جاتا ہے۔ اس میں عام اور خاص کی رائے برابر ہوتی ہے۔ اس میں اکثریت کی رائے کے احترام کا دھوکہ ہوتا ہے لیکن عملاً سرمائے کی حکومت ہوتی ہے۔ لبرل ڈیموکریسی کبھی بھی دین کو عملاً نافذ نہیں کرتی بلکہ دین کو کمزور کرتی ہے تاکہ انفرادی حریت کا تحفظ ہو۔

لبرل ڈیموکریسی کے ردِّ عمل میں کمیونزم کا تصور آیا۔ اِس کا خیال تھا کہ تمام مسائل کی جڑ انفرادی ملکیت ہے لہٰذا اس کو ختم کر کے مزدوروں کی حکومت قائم کی جائے جو تمام ملکیتوں کو ریاست کے کنٹرول میں لا کر خوش حالی کو تمام خاص وعام تک پہنچائے۔ کمیونزم تاریخ کی بدترین آمریت ثابت ہوئی جس میں حکمران پارٹی نے عوام کو جبر واستبداد کے پنجے میں اس قدر کسا کہ کلیسائی دور کے جاگیر دار اور شہنشاہ بھی شرما جائیں۔ کمیونزم لبرل ڈیموکریسی کے مقابلے میں دین کا سخت دشمن ثابت ہوا۔ اُس نے اپنے علاقوں سے دین کی تمام علامات، رسوم اور طریقوں کو بالجبر مٹا ڈالا۔ دہریت پورے پورے ملک کا سرکاری جبری دین قرار پایا۔

اقتصاد: مسیحی دور میں رہبانیت کے زیر اثر ہر قسم کی کمائی اور معاشی دھندے کو برا سمجھا جاتا تھا۔ لیکن جب کلیسا کی بداعمالیوں کے سبب لوگوں کا مسیحیت پر اعتماد کمزور ہوا تو کئی لادین اقتصادی نظریات پیدا ہوئے۔ جن میں سب سے پہلا فطرت پرستی (فزیوکریسی) تھا۔ اس مکتب فکر کا خیال تھا کہ جس طرح کائنات طبعی اصولوں کے مطابق چل رہی ہے اسی طرح اقتصاد کو بھی کھلا چھوڑ دیا جائے تو وہ فطری اصولوں پر خود بخود چلتی ہے۔ فطرت پسندوں کا خیال تھا کہ دین فطرت کے منافی ہے۔ فطرت پسندی کے نظریے کو نوزائیدہ سرمایہ دار طبقے نے خوب استعمال کیا اور مال داروں کے تمام غیر انسانی طریقے فطری قرار پائے۔ حریت عمل، حریت فرد اور ذاتی مصلحت کی آڑ میں عوام کو خوب لوٹا گیا، آخر کار فزیوکریسی کا نظریہ متروک قرار پایا۔

فطرت پسندوں کے بعد لادین سرمایہ داری مقبول ہوئی جو 'کلاسیکل سرمایہ داری' بھی کہلاتی ہے۔ اس کا سب سے بڑا مفکر آدم سمتھ تھا جس نے خود غرضی، حرص وحسد اور ذاتی منفعت کو عین خیر قرار دیا، اس سے پہلے یہ اوصاف دین کے زیر اثر صدیوں سے مذموم قرار دیے جاتے تھے۔ آدم سمتھ کے اُس دور کے استعمار پسندوں پر نہایت خوف ناک اثرات پڑے۔ دوسرا اہم کلاسیکی سرمایہ دار مفکر مالتھس تھا جس نے آبادی پر

کنٹرول کا نظریہ پیش کیا۔ اس کا خیال تھا کہ غریب لوگوں پر خرچ نہیں کرنا چاہیے کیونکہ یہ غیر پیداواری خرچ ہے اور جب تک کوئی شخص کوئی خدمت پیش نہ کرے، اس کو روٹی نہیں ملنی چاہیے۔ اس کا خیال تھا کہ محروم طبقے معاشرے پر غیر فطری بوجھ ہیں جو کثرتِ پیدائش کی وجہ سے ہیں۔

کلاسیکل سرمایہ داروں کی لوٹ کھسوٹ کے نتیجے میں کمیونزم کا تصور پیدا ہوا۔ اس تصور کے لوگ خاندان، شادی، انفرادی ملکیت، دین اور فضائل ونیکیوں کو ڈھکوسلا سمجھتے تھے جو سرمایہ دار طبقے نے عوام کو لوٹنے کے لیے ایجاد کیے۔ کمیونزم دین کا سخت دشمن تھا اور ساری انسانی تاریخ کو معاش کی جنگ قرار دیتا۔ کمیونزم کے اہم نظریات میں ہیگل کی جدلیت، ڈارون کا تنازع للبقا، فیرباخ کا الحاد اور مارکس کی مادیت، تاریخ کی مادی تشریح اور انفرادی ملکیت کے خاتمے کا تصور ہے۔

لادین اقتصاد کے دو بڑے ستونوں لبرل سرمایہ داری اور کمیونزم کی وجہ سے ساری دنیا دو بڑے بلاکوں میں تقسیم ہوئی:

۱۔ امریکی بلاک جو سرمایہ دار ملکوں کا سربراہ ہے۔ ۲۔ روسی بلاک جو کمیونسٹ ملکوں کا سربراہ ہے۔

سرمایہ دار ملکوں کو آزاد دنیا قرار دیا جاتا ہے حالانکہ خدا کے انکار اور مادیت کی وجہ سے وہاں بدامنی، بے سکونی اور جرائم عام ہیں۔ خیر وشر کا فرق مٹ چکا ہے۔ انسانوں پر آلات کی حکمرانی ہے۔ اخلاقی روایات، سعادت اور نیکی کے تصور ختم ہوگئے۔ میڈیا اپنے پروپیگنڈے سے ایک فکری جبر قائم کیے ہوئے ہے۔ سرمایہ دار طبقہ اپنے اقتدار کے لیے ہر جائز وناجائز طریقے استعمال کرتا ہے۔

کمیونزم بھی مادیت، اخلاقی دیوالیہ پن اور الحاد میں سرمایہ داروں سے پیچھے نہیں۔ اُس نے دین، شادی اور دینی اخلاق کو ریاستی جبر سے منہدم کر دیا ہے۔ اس پر مستزاد اُس کا عوام ومزدوروں پر خوفناک تسلط ہے جس کی مثال تاریخ میں نہیں ملتی۔ ریاست کا غالب ترین حصہ ایک تاریخی استبداد کا شکار ہے۔

علوم: مسیحیت اور سائنس کے درمیان کشمکش کا آغاز اُس وقت ہوا جب کلیسا نے کہا کہ زمین چپٹی ہے اور سائنس نے کہا: گول۔ کلیسا نے کہا کہ زمین کائنات کا مرکز ہے اور سائنس نے کہا کہ زمین سورج کے گرد گھوم رہی ہے۔ کلیسا نے مکمل بائبل کو وحی الٰہی کہا اور عقل پرست مفکرین نے اس میں سے فاش غلطیاں ڈھونڈ نکالیں۔ کلیسا نے رہبانیت کو متبرک قرار دیا اور جدید علم نے اِسے انسانی ہلاکت کا یقینی ذریعہ ثابت کیا۔

اس کشمکش میں دین مغلوب ہوگیا۔ دین کو خرافات اور جھوٹے افسانوں پر مبنی سمجھا گیا۔ علوم وفنون میں دین کی رائے کو علمیت کی شان کے منافی سمجھا گیا۔ علم اور دین کے درمیان عارضی تعارض کو ایک مستقل

مخاصمت میں بدل دیا گیا جس میں یہ سمجھا گیا کہ دین ہمیشہ غلط ہو گا اور سائنس کی بات ہمیشہ درست ہو گی۔ فلاسفہ کے نزدیک 'فکری آزادی' آزادی کی سب سے بڑی قسم قرار پائی۔

علم اور دین کے درمیان جدائی ڈالنے سے معاشرے پر خوف ناک اثرات ظاہر ہوئے۔ ہر قسم کے تعلیمی مناہج اور بحث و تحقیق کو دین کے ہر رنگ سے الگ کر دیا گیا۔ معاشرے کا غالب ترین حصہ جو مادی علوم کا طالب علم تھا، دین پر اپنے اعتقاد کو قائم نہ رکھ سکا۔ معاشرے میں پڑھے لکھے ملحدوں کی ایک فوج ظفر موج تیار ہو گئی۔ دین کو ماننے والے ضعیف العقل اور بے وقوف قرار پائے۔ ڈیکارٹ کی پیدا کی گئی علم اور دین کی جدائی ایک مستقل تفریق میں بدل گئی۔ ڈارون تھیوری نے انسانی زندگی کو بے مقصدیت کے سمندر کے حوالے کر دیا۔ اس سے انسانی نسل انارکی، قلق، محرومی اور ناقدری سے بھر گئی۔ لاتعداد فلسفیانہ مکاتب فکر پیدا ہوئے جو باہم دست و گریبان تھے۔ تاریخ انسانی میں پہلی دفعہ اخلاقی اقدار اور خالص عقل کے درمیان جنگ ہوئی۔ علم معرفتِ الٰہی کا سب سے بڑا ذریعہ ہے لیکن یورپ اس سے محروم ہوا۔ یورپی علم کئی صدیوں سے استقرار کا حامل نہیں۔ ہر صدی کے مفکر پچھلی صدی کے مفکرین کا رد کرتے ہیں۔

معاشرت واخلاق: قرونِ وسطیٰ میں اخلاق واقدار مستقل بالذات اور دین کی سند پر قائم تھیں۔ لوگ خیر و شر کی پہچان کے لیے دین کو پیمانہ بنانے کے عادی تھے۔ کلیسا بذاتِ خود افراط و تفریط کا شکار تھا لیکن اس کے باوجود مسیحی اخلاق سے خروج کو ناپسند کیا جاتا۔

جب لادین مفکرین کا دور آیا تو میکیاولی اور ہوبز نے کلیسا کے مدمقابل یہ نظریہ پیش کیا کہ انسان فطرتاً شریر ہے اور وہ ایک دوسرے کے مقابلے میں بھیڑیا ہے۔ سپائی نوزا نے لذت کو فی نفسہٖ خیر قرار دیا اور الم کو فی نفسہٖ شر۔ آگسٹ کومٹے نے الٰہی دین کے مقابلے میں انسانی وضعی دین کی بنیاد رکھی۔ اس کے خیال میں انسانی وضعی دین فطرت کے عین مطابق ہے اور الٰہی دین فطرت کے مخالف۔

روسو کا خیال تھا کہ اخلاق کے لیے ایمان کی ضرورت نہیں ہوتی۔ محض دنیوی مصالح سے ہی اخلاق تشکیل پاتے ہیں۔ وہ فرانسیسی انقلاب کا ہیرو تھا اور اُس کی کتاب سوشل کنٹریکٹ یعنی 'معاہدہ عمرانی' فرانسیسی انقلاب کی انجیل۔

کانٹ نے انسانی اخلاق کے تین مراحل بنائے۔ پہلے مرحلے میں اخلاق خرافات پر مبنی تھے۔ پھر ادیان کے زیر اثر آئے، اب وہ انسانی علوم کے مرحلے میں ہیں۔ ہر مرحلہ پچھلے مرحلے سے آزاد ہوتا ہے۔ کانٹ کے نزدیک دینی اخلاق لغو اور وہم ہیں۔ ادیان کے تصور اُلوہیت و آخرت کی جگہ پر انسانیت کو لانا چاہیے۔

درخائم کلاسیکی معاشرتی مفکر ہے۔ اس کے خیال میں معاشرے کی مجموعی عقل اندھی بہری ہوتی ہے اور نامعلوم اسباب وعلل کے تحت فیصلے کرتی ہے اور اسکے سامنے انفرادی عقل بے بس ہوتی ہے۔ ادیان کی فکر بھی اللہ سے نازل نہیں ہوئی بلکہ یہ مختلف نفسیاتی انفعالی جذبات کا نتیجہ ہے۔ ہر معاشرے نے اپنے معبود خود گھڑ لیے۔ کمیونزم نے بھی خدا کا انکار کیا اور فقط مادے پر ایمان لایا۔ اس کے نزدیک حقیقتِ اولیٰ فقط مادہ ہے۔ ادیان، اخلاق اور خاندان کے تصورات اس لیے گھڑے گئے تاکہ بورژواطبقہ پرولتاری طبقے کا استحصال کر سکے۔

یورپ کا مقبول عام معاشرتی واخلاقی مکتبِ فکر جرمی بینتھم کا نظریہ نفعیت ہے۔ یعنی خیر وہی ہے جو دنیا میں زیادہ سے زیادہ لوگوں کے دنیوی افادے کا سبب بنے۔ یہ تصور آخرت پرستی اور للّٰہیت کی ضد ہے۔

۲۱ویں صدی میں تحلیل نفسی اور سلوکیت کے نفسیاتی مکاتبِ فکر نے انسان کو مجبورِ محض قرار دیا۔ انسان یا تو لاشعور کے ہاتھوں مجبورِ محض ہے یا خارجی واقعات کا میکانکی معلول۔ ان مکاتب نے انسان کو محض ایک حیوان یا مادہ قرار دیا۔

نسوانیت: کلیسائی اور جاگیر داری دور میں عورت کو کم تر مخلوق سمجھ کر اُس کو ادنیٰ اور رذیل زندگی پر مجبور کیا جاتا۔ لیکن اُس دور کی عورت مرد کی عزت وناموس سمجھی جاتی اور اُس کی بے پناہ حفاظت کی جاتی۔

انقلاب فرانس کے بعد عورت کے حقوق کی پہلی چنگاری پھوٹی۔ صنعتی انقلاب کے بعد عورت گھر کی ذمہ داریاں سنبھالنے کے علاوہ صنعتوں میں مزدوری بھی کرنے لگی۔ اُس نے بتدریج سیاسی حقوق کا مطالبہ بھی کیا۔ بالآخروہ معاشرتی وسیاسی سطح پر مرد کے برابر قرار پائی۔ اُسے مساوات، معاشی استقلال اور آزادانہ ماحول نصیب ہوا۔ ۱۹۵۰ء تک عورت کو معاشرتی وسیاسی حقوق تو حاصل ہو گئے لیکن 'حقوق کی تحریک' آزادی کی تلاش میں مزید آگے بڑھ گئی۔ عورت بتدریج گھر بار، خاوند اور بچوں کی ذمہ داریوں سے آزاد ہوئی۔ طلاقیں عام ہوئیں، تنہاماؤں کا بڑا گروہ وجود میں آیا، سیکس انڈسٹری مضبوط ہوئی اور ۱۹۶۰ء میں مانع حمل گولیوں کی ایجاد سے فحاشی مزید آزاد ہو گئی۔

عورت کی مادر پدر آزادی کے ساتھ ہی بے شمار اخلاقی مفاسد پیدا ہو گئے۔ زنا سے پیدا ہونے والے بچے، گھریلو خاندانی زندگی کا انہدام، عورت کے مسائل میں اضافہ... اس نئی طرز زندگی کے کڑوے پھل تھے۔ بچوں کی تربیت ماں باپ کے بجائے نرسری ہومز کے سپرد ہوئی جہاں سے وہ کئی انحرافات کا شکار ہوئے۔ کھلی جنسی آزادی کے باوجود جنسی انحرافات اور ہم جنسی پرستی عام ہوئی بلکہ قانوناً جائز قرار پائی۔ خاندانی بگاڑ کی وجہ سے جرائم، نفسیاتی امراض اور منشیات کے استعمال میں بے پناہ اضافہ ہوا۔ عورت کی آزادی اور بدلے میں خاندانی

تباہی کے مصائب کمیونسٹ معاشرے کا بھی حصہ تھے لیکن وہ اُس کو صرف سرمایہ دار دنیا کا حصہ بتلاتا رہا۔

عصر حاضر میں تحریک حقوق نسواں کی سب سے بڑی کامیابی یہ ہے کہ اُس نے اپنا ایجنڈا اقوام متحدہ کے بنیادی چارٹر میں داخل کرا لیا ہے۔ جس کے مطابق جنس کے اعتبار سے عورت و مرد کے حقوق برابر ہیں۔ ۱۹۵۵ء کی خواتین عالمی کانفرنس کے بعد اکثر ممالک نے اسی ایجنڈے کو قبول کر لیا ہے۔ مغرب کے تمام اہم سیاسی واقتصادی نظریات اس وقت اقوام متحدہ کے جھنڈے تلے دنیا میں پروان چڑھ رہے ہیں، جیسے معاشرے میں سیاسی تفریق، عوامی حاکمیت، قومیت کا نظریہ اور ہم جنس پرستی وغیرہ

اسلام نے عورت و مرد کو ایک دوسرے کا تکملہ قرار دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے عورت کو بے پناہ حقوق دیے ہیں لیکن اُس کا دائرہ کار مرد کے دائرہ کار سے مختلف بنایا ہے۔ اللہ نے خاندانی انتظامی اُمور میں مرد کو عورت پر نگران بنایا ہے۔ اِس کے ساتھ ساتھ اللہ نے دونوں کے لیے الگ الگ حقوق و فرائض بھی مقرر کیے ہیں۔

ادب و فن: مسیحی دور میں فن وادب دینی روایات اور کلیسائی اقدار کے اردگرد گھومتا تھا۔ لیکن سترہویں صدی کے بعد عہد بیداری کے ساتھ ہی یونانی ورثے کو زندہ کیا گیا جس میں مذہبیت کا نام ونشان نہ تھا، اس کو نو کلاسیکی دور کے نام سے موسوم کیا گیا۔ چونکہ اِس دور کا فن وادب کلیسائی الٰہ کے بجائے عام انسانی زندگی کو موضوع بناتا، اِس لیے اِس کو ہیومنزم کا نام بھی دیا گیا۔ دانتے، جیوتو اور شیکسپیئر اس دور کے اوّلین فن کار ہیں جنھوں نے دین سے آزاد فن وادب کی عکاسی کی اور اُس دور سے آج تک فن وادب دین سے آزاد ہی چلا آرہا ہے۔ کلیسائی دور کے ادب و فن پر رہبانیت غالب تھی لیکن عہد بیداری میں ردّعمل کے تحت اَبیقوریت[1]، لذت پسندی اور عقل پرستی غالب رہی۔ بیداری کے قائدین نے ہزار سالہ کلیسائی عہد کی عمارت منہدم کرنے کی کوشش جاری رکھی۔

انقلاب فرانس کے بعد جدید دور کا آغاز ہوا جس میں دو مکاتب فکر نہایت اہم ہیں:

① رومانیت: اِس نے دینی ذوق وشوق کے بجائے محبت، حسن وعشق اور جذباتی خوشی والم کو موضوع بنایا۔ عقل ودین کے بجائے جذبات کی عکاسی ہوئی۔ آخرت کے بجائے دنیا کی سرمستی کو اجاگر کیا گیا۔ فطرت کو اللہ کی جگہ پر رکھ کر پوجا گیا۔

② واقعیت: رومانیت مثالی کردار کی علم بردار تھی۔ واقعیت نے اِس کے برعکس عام انسان کی زندگی کو موضوع

---

1 یونان کے مشہور حکیم ایپکورس کا فلسفہ اور نظام جس میں حصول لذت کو افعال انسانی کی اصلی غرض بتایا گیا ہے: لذت پسندی، عیش پرستی، لذتیت۔ اسی نے نظریۂ ذرات کو بھی پیش کیا جو ایک طرح سے ابیقوریت کا احیا تھا۔ (تاریخ فلسفہ جدید: ۱/۲۹۰)

بنایا۔ واقعیت نے زندگی کے مسائل کے حل کی کوشش کی لیکن غیر دینی الحادی بنیادوں پر۔ یہ مکتب فکر دین، مذہب اور اقدار کا دشمن تھا۔ واقعیت نے دین پر براہ راست حملے کیے اور فحاشی وفسق وفجور کی کھلی دعوت دی۔

معاصر دور واقعیت سے لامعقولیت کی طرف سفر کا دور ہے: لامعقولیت زندگی کی ناقدری، بے بسی، بے گانگی اور روحانی تنہائی کو موضوع بناتا ہے۔ یہ فرائڈ، ڈارون جیسے ملحد مفکرین، عالمی جنگوں کے مسائل اور مذہب سے یکسر علیحدگی کی وجہ سے انسانی غم والم کو ادب وفن کا سب سے بڑا موضوع بناتا ہے۔

معاصر ادب کے دو بڑے رجحانات ہیں:

۱۔ اباحیت: یہ یورپ کے ہر دور کا اہم رجحان ہے لیکن معاصر ادب میں اباحیت عریاں جنسی ادب تک پہنچ گئی۔ ساٹھ کی دہائی میں غلیظ جنسی ادب ہر طرف پھیل گیا۔ انسان کی جنسی زندگی کی بھرپور تصویر کشی کی گئی۔

۲۔ ضیاع: یہ رجحان انسان کی تنہائی اور بیگانگی کو بیان کرتا ہے، جو جدید تہذیب کی ترقی اور مذہب کے زوال کے ساتھ ہی ہر بڑے شہر میں معاشرے کے ہر انسان کے جسم وجان کا حصہ ہے۔ زندگی کی بے مقصدیت کا احساس سارتر کی وجودیت کی شکل میں انسان کو حریت میں غرق کرتا ہے اور کامو کے ہیرو کی شکل میں خالص لذات کو تلاش کرتا ہے۔ ضیاع کا ادب ادیان کا انکار کرتا ہے جس کی وجہ سے اُس پر گہری مایوسی اور قنوطیت چھائی ہے۔ وہ کسی بھی قدر کو مستقل تسلیم کرنے سے عاری ہے۔ اُس کا اپنی ذات پر اعتماد ختم ہو چکا ہے۔

عالم اسلام میں سیکولرزم کے داخل ہونے کی وجوہات

مغرب میں سیکولرزم اس لیے وارد ہوا کیونکہ اُن کا دین تحریف شدہ تھا جبکہ اہل اسلام میں سیکولرزم اِس لیے داخل ہوا کیونکہ وہ اپنے صحیح دین سے منحرف ہو گئے اور دین کے تقاضوں کا ساتھ نہ دے سکے۔

اہل اسلام کا اپنے دین سے انحراف: اہل اسلام کا اپنے دین سے انحراف سب سے پہلے عقیدے یعنی توحید اُلوہیت کے مفہوم میں پیدا ہوا۔ مسلمان عبادت کے جامع تصور کو بھول گئے اور عبادت چند مخصوص اعمال اور اذکار واَوراد میں سمٹ آئی۔ زندگی کے تمام شعبے بتدریج اسلام سے خالی ہوتے چلے گئے۔ دین اور دنیا کی تفریق پیدا ہو گئی۔ تعلیم جہاد سے عاری ہو کر خالص صوفی تربیت میں تبدیل ہو گئی۔ اُمت مقبروں، مزاروں اور مردوں کے تقدس میں غلو کر کے شرک میں مبتلا ہو گئی۔ دین سے انحراف مغربی عسکری یلغار سے بھی پہلے واقع ہو چکا تھا۔

اہل اسلام کا دوسرا انحراف 'احکام الٰہی کی معاشرے پر حاکمیت کے تصور' میں تھا۔ صفوی اور مغلئی سلطنتیں تو ویسے ہی اسلام کی حقیقت سے دور تھیں لیکن اِس کے ساتھ ساتھ عثمانی سلطنت نے بھی شریعت کی حاکمیت کو آخری ادوار میں مکمل روح کے ساتھ نہ اپنایا۔ عثمانی دورِ زوال میں حنفی فقہ نے اجتہاد کا دروازہ بند کر دیا جس کی وجہ سے بالآخر مغربی وضعی قوانین درآمد کرنے پڑے۔ عثمانی فوجوں کی تربیت کے لیے غیر مسلم ماہرین کی امداد طلب کی گئی۔ عثمانی سلطنت نے شوریٰ کے بجائے جبر و استبداد کو لازم پکڑا حالانکہ ہمسایہ یورپی ممالک میں حریت کی تحریکیں برپا تھیں۔

اہل اسلام کا تیسرا انحراف قضاوقدر میں انحراف تھا۔ شروعِ اسلام میں ایمان بقضاوقدر ہمت، قوت اور اقدام پر اُبھارتا تھا لیکن آخری صدیوں میں یہ عقیدہ پستی اور ذلت کو برداشت کرنے کا ایک بہانہ بن گیا۔ یقیناً یہ انحراف سنتِ الٰہی سے غفلت کی وجہ سے پیدا ہوا۔ اہل تصوف نے دین و پس ماندگی اور کفر و ترقی کو لازم ملزوم سمجھا۔

اہل اسلام کی ذہنی پستی کا یہ عالم پیدا ہوا کہ وہ خود غیر مسلموں کی غلامی کے لیے تیار ہو گئے۔ مسلمان تاتاریوں سے بھی شکست خوردہ ہوئے تھے لیکن اُس وقت وہ ذہنی غلام نہ بنے تھے۔ ۱۹ویں اور ۲۰ویں صدی کی عسکری شکست تہذیبی اور فکری غلامی بھی ساتھ لائی۔ مسلمان لادین حریت اور مساوات کو عین مقاصدِ شریعت قرار دینے لگے۔ عوام قوت و حکومت کا مصدر ٹھہرے۔ لادین اشتراکیت کو اسلام کے مطابق قرار دیا گیا۔ لادین جمہوریت کو اسلامی شوریٰ سے ماخوذ سمجھا گیا۔ لادین دستور کو عدل پر مبنی قرار دیا گیا۔

مسلمانوں کی تاریخ بتلاتی ہے کہ وہ جب بھی شکست خوردہ ہوئے تو داخلی کمزوری کی وجہ سے ہوئے۔ خارجی قوتیں جس قدر طاقت ور اور مضبوط ہوں، وہ مسلمانوں کو ہرا نہ سکیں، ہاں اُس وقت جب مسلمان خود اسلام سے دور ہوئے۔ مسلمانوں پر چار خارجی قوتیں حملہ آور ہوئیں اور انھوں نے مسلمانوں کو تباہ کیا۔

۱۔ استعمار: استعمار نے پورے عالم اسلام پر قبضہ کیا اور اِس دفعہ اُس نے خود کو ایک نئے روپ میں پیش کیا۔ اُس نے کفر و اسلام کی جنگ کو محض اقوام اور ممالک کی جنگ قرار دیا چنانچہ عثمانیوں کے خلاف مسلمانوں کو فوج میں بھرتی کیا گیا۔ عالم اسلام کی جہادی تحریکیں جیسے مہدی سوڈانی، عمر مختار، عبدالقادر جزائری، شاہ اسماعیل شہید اور امام حسن البنا کی تحریک کو سختی سے کچلا گیا۔ استعمار نے بلادِ اسلامیہ پر قبضہ کرتے ہی وہاں سے شرعی قوانین لغو کیے۔ ۱۸۰۰ء سے ۱۹۵۰ء کے دوران تمام اسلامی ممالک نے شریعت کو چھوڑ کر انسانی وضعی قوانین کو جاری کیا، ان معاشروں میں قرآن و سنت کی جگہ 'دستورِ مملکت' نے لینا شروع کر دی۔ استعمار نے اسلامی نظام تعلیم کے مقابلے میں لادین نظام تعلیم رائج کیا۔

استعمار نے بعض علاقوں میں دینی تعلیم کے مراکز کو اصطبل بنایا۔ غیر اسلامی فرقوں اور گروہوں کو گمنامی سے نکال کر مسلم معاشروں میں تقویت دی گئی جیسے شام کے نصاریٰ، نصیریہ فرقہ وغیرہ۔ بعض نئے کافر فرقے پیدا کیے گئے جیسے بابی، بہائی اور قادیانی۔ استعمار نے بعض علاقوں میں ۹۹ فیصد اکثریتی مسلم علاقے میں غیر مسلم اقلیت کو حکومت سونپی۔ مسلمانوں کی نسل کو اپنا کارندہ بنانے کے لیے مخصوص افراد کو مسلمانوں کے راہنما بنا کر پیش کیا گیا۔

۲۔ مستشرقین: دوسرا خارجی عنصر مستشرقین کا تھا۔ انھوں نے مسلمانوں کو اُن کے دین سے منحرف کرنے کے لیے علم کے نام پر ہر غیر علمی حربہ استعمال کیا۔ قرآن، نبی اکرم ﷺ اور اسلام پر اعتراضات اور شکوک کی بھرمار کی گئی۔ اسلام کو محض انفرادی دین کہا گیا۔ اسلامی تاریخ کے محاسن سلب کر کے عیوب نشر کیے گئے۔ مسلم عورت کو ذلیل قیدی کے طور پر پیش کیا گیا۔ عربی زبان اور اسلامی فقہ کو عصر حاضر کے ناموافق قرار دیا گیا۔ قدیم باطل فرقوں کو دوبارہ زندہ کرنے کی کوشش کی گئی۔ قدیم لادین تہذیبوں کو اسلام کے مقابلے میں کھڑا کیا گیا۔ جیسے فرعونیت، فینقیت، آشوریت، حمیریت وغیرہ۔ مستشرقین نے اُصول تحقیق کا ایک ایسا غیر علمی منہج پروان چڑھایا جو اسلامی روایت سے یکسر کٹا ہوا تھا اور علم کے نام پر ایک دھوکہ اور فریب تھا۔

۳۔ مبشرین: تیسرا خارجی عنصر مبشرین کا تھا۔ یہ غریب مسلم عوام میں سکول، کالج، ہسپتال اور غذا اور روزگار کے کیمپ قائم کرتے اور مسلمانوں کی بڑی تعداد کو دینی روح سے بیگانہ کرتے۔ انھوں نے مسلم عورت کو دین سے دور کرنے کے لیے ادب وثقافت کے نام پر بے حیائی اور بے پردگی کو فروغ دیا۔ انھوں نے دین کی بنیاد پر دوستی دشمنی ختم کی، مسلمانوں کے خیر خواہ بن کر سامنے آئے لیکن عالم اسلام کی نگرانی اور جاسوسی کر کے استعمار کی خدمت کی۔

۴۔ عرب نصاریٰ: چوتھا خارجی عنصر عرب کے نصاریٰ کا تھا۔ اُنھوں نے سب سے پہلے سیکولرزم، قومیت، وطنیت اور لادین عقلیت کی دعوت دی۔ انھوں نے لادین سیاسی پارٹیاں، الحادی ادبی مکاتب فکر اور مذہب بے زار سماجی گروہ قائم کیے۔ اُنھوں نے کہا کہ دنیا کی ترقی کے لیے مذہب کو خیر باد کہنا پڑے گا جیسے یورپ نے دین سے جی چھڑا کر ترقی کی۔

عالم اسلام میں سیکولرزم کے اثرات

سیاست وقانون: ترکی: قرونِ اخیرہ میں عالم اسلام اسلام کے مثالی سیاسی نظام سے کافی حد تک ہٹ چکا تھا اور

اُس پر ایک گہرا جمود بھی طاری ہو چکا تھا۔ عوام اور حکمران اسلامی تصورات اور اُن کی عملی تطبیق میں کمزوری کا شکار تھے۔ مسلمانوں کا زوال اتنا خوف ناک تھا کہ وہ خود سیکولرزم کو قبول کرنے کے لیے تیار تھے۔ شروع میں اصلاحات کا نعرہ لگایا گیا۔ اصلاح کی ضرورت مسلّم تھی لیکن اُس کا طریق کار دھندلا تھا۔ چنانچہ اصلاحی مفکرین نے مغربی تمدّن کی ہیبت مسلم عوام کے دلوں میں پیدا کی اور اسلام کی عظمت کو کمزور کیا۔ آخر انقلابی تحریک پیدا ہوئی جس نے سلطان عبدالحمید کے وسیع اختیارات ختم کر کے دستوری حکومت کا مطالبہ کیا۔ عوام وخواص سلطان کے خلاف اُٹھ کھڑے ہوئے۔ ۱۹۰۹ء میں انہیں خلافت سے بالجبر علیحدہ کر دیا گیا اور بتدریج ایک دستور نافذ کیا گیا جو لادین اہداف پر مشتمل تھا، یعنی وطن کے نام پر مسلم وغیر مسلم کو برابر قرار دیتا، حریتِ مذہب پر زور دیتا۔ اُس نے شرعی عدالتوں کو معطّل کیا اور اسلام دشمن عناصر کو کھلا چھوڑ دیا۔

ترکی کے اس دور کے سیاسی حالات کے نتیجے میں کمال اتاترک ترکی کا نجات دہندہ بن کر سامنے آیا۔ اس نے خلافت کا منصب ہمیشہ کے لیے ختم کر دیا۔ دینی حکومت کو لادین جمہوریت میں ڈھالا۔ دینی آثار وشعائر کو بالشویک[2] حکومت کی طرز پر جبری طور پر ملک وقوم سے مٹایا اور مغربی قوانین کو عملاً لاگو کیا گیا۔

مصر: مصر کا سیکولرزم برطانوی قبضے کے دوران مستحکم ہوا۔ مصر کی پہلی سیاسی جماعت حزبِ وطنی ۱۸۸۲ء میں قائم ہوئی جس نے لادینی طرزِ سیاست کو فروغ دیا۔ مصر میں روشن خیالی کی ترویج کے لیے استعمار نے تحریک اصلاح کی سرپرستی کی جس کے لیڈر محمد عبدہ تھے۔ محمد عبدہ کے اپنے دور کے عوام وخواص پر بڑے اثرات تھے۔ اس نے مغربی قوانین سے اخذ واستفادہ کو مسلم عقلیت کے لیے قابل قبول بنایا۔ اس کے بعد سیکولرزم کے داعیوں کا ایک سلسلہ قائم ہو گیا۔ عبدالرحمن کواکبی نے ۱۹۰۲ء میں دین وسیاست کو الگ کرنے کی

---

۱ آخری ادوار میں خلافتِ عثمانیہ ہی اسلام اور مسلمانوں کی سیاسی سرپرست تھی۔ اس خلافت نے عروج کی چھ صدیاں دیکھیں اور دنیا کے تین براعظموں پر حکومت کی۔ یورپ کے قلب تک مسلسل دو صدیوں تک یہ خلافت برسرِ جہاد رہی اور اس نے مغرب کی عسکری نفسیات پر کمزوری کے مسلسل وار کیے۔ لیکن دورِ زوال میں اسلام سے بعض بنیادی انحرافات نے اس کی اصل طاقت کو کمزور کر دیا۔ عثمانیوں نے اپنے عروج کی وجہ اسلام کی بجائے، اپنی ترک قومیت کو بتانا شروع کیا، جس کے نتیجے میں باقی مسلم دنیا پر وہ غاصب وقابض ٹھہرنے لگے۔ یہی قومیت کا فتنہ عرب اقوام کے اندر بھی پروان چڑھا جس سے ملی وحدت پارا پارا ہو گئی اور آخر خلافتِ عثمانیہ کے حصے بخرے ہو گئے۔ ح م

۲ یہ کمیونزم کا روسی نام ہے۔ بالشویک پارٹی کا مقصد کارل مارکس کی تعلیمات کی روشنی میں روس کے محنت کشوں کو انقلاب کے لیے منظم کرنا اور زار روس کی حکومت کا تختہ الٹ کر محنت کشوں کی حکومت قائم کرنا تھا تاکہ ملک میں سرمایہ داری نظام کو ختم کر کے اشتراکی نظام رائج کیا جائے۔ ۱۹۱۷ء کے انقلاب روس کے بعد 'بالشویک پارٹی' کا نام روسی کمیونسٹ پارٹی (بالشویک) ہو گیا۔ ح م

دعوت دی۔ شریعت پر حملے کیے اور سود کو حلال قرار دیا۔ علی عبدالرزاق نے اسلام کو محض روحانی مذہب قرار دیا۔ عبدالمتعال نے حدودِ الٰہی کو غیر واجب قرار دیا۔

تعلیم وتربیت: مسلمانوں کے آخری اَدوار میں مسلمانوں کا نظام تعلیم اسلام کی فرد و معاشرہ پر مشتمل جامع روح کا عکاس نہ تھا۔ اُس پر جمود طاری تھا اور وہ زمانے کے مسائل کی وضاحت نہ کر رہا تھا۔ سب سے بڑھ کر یہ نظام تعلیم عملیت سے عاری، تاثیر سے منقطع اور معاشرے کی تشکیل سے غیر متعلق تھا۔ اُمّت مسلمہ میں جدید مغربی علوم کا دُخول استعمار کے زیر سایہ ہوا۔ مغربی ممالک نے اسلامی ممالک پر قبضہ کرتے ہی ایک نئے نظام تعلیم کی بنیاد رکھی۔ اُس وقت سے عالم اسلام میں علم کی دوئی پیدا ہوئی۔ یعنی

۱۔ دینی تعلیم جو محدود اور تنگ ہونے کے ناطے شریعت کی حدود میں غور وفکر اور درپیش مسائل کی طرف متوجہ نہ تھی۔

۲۔ جدید تعلیم جو لادین اور غور وفکر کی تمام سرگرمیوں پر مشتمل تھی۔

قدیم دینی نظام تعلیم اپنے اہداف، طریق کار، اسلوب تدریس اور وسائل میں پس ماندہ تھا جبکہ جدید سکولوں کالجوں کا نظام تعلیم استعمار کے زیر سایہ اپنے وسائل اور مظاہر میں نہایت عالی شان تھا۔ لارڈ میکالے نے ہندوستان میں جدید تعلیم کا جو ہدف بیان کیا، وہی ہدف بیروت، استنبول، قاہرہ وغیرہ میں اپنایا گیا۔ یعنی کلرکوں کی ایسی نسل تیار کرنا جو استعمار کی نوکری کر کے فخر کرے اور اپنے قومی سرمایہ افتخار کو بھول جائے۔ مسلمان طلبا کے طائفے یورپ روانہ ہوئے جنھوں نے واپس آکر اپنی قوم میں بدیسی عظمت کے بیج بوئے۔ جدید تعلیم کے ذریعے مسلمان نسلوں میں اسلام اور اُس کی تاریخ وتہذیب کے متعلق مہلک شکوک اور اعتراضات پیدا کیے گئے۔ مغربی علوم کے تراجم میں عملی وتطبیقی علوم کو نظر انداز کر کے عشق ومحبت کے قصوں کی بھرمار کی گئی۔ مغربی تہذیب کو سوچے سمجھے اور بلا تمیز اپنانے کی دعوت پیش کرنے والے طٰہٰ حسین، احمد لطفی، اسماعیل مظہر اور قاسم امین تھے جن کی طرزِ فکر مکمل طور پر مغربی تھی۔ جدید تعلیم کی وجہ سے نئی نسل لادین تربیت کی حامل ہوئی۔ قدیم دینی نظام تعلیم کو بتدریج مغربی اغراض کے ماتحت کیا گیا۔ فصیح عربی زبان کو ترک کر کے لغتِ عامی کو ترویج دی گئی تاکہ قرآن کی زبان متروک ہو جائے۔ جدید یونیورسٹیوں میں مغربی علوم کو لادین منہج کے مطابق پڑھایا گیا۔ مردوزن کا اختلاط، رقص ڈرامے اور موسیقی کی تعلیم، جدید علوم کے الحادی نظریات، مغربی ادبی وتاریخی مکاتب فکر کی ترویج، جدید نظام تعلیم کی امتیازی خصوصیات تھیں۔ شعرا، ادبا، مفکرین اور میڈیا کے افراد پر مغربی علوم کا غلبہ عام ہو گیا۔ ہر طرف اباحیت، عقلیت، رومانیت، واقعیت،

مارکسیت، ڈارونیت اور لامعقولیت وغیرہ کے اثرات غالب آ گئے۔

معاشرت واخلاق: مسلمانوں کے دور انحطاط میں اُن کی معاشرتی زندگی خالص اسلامی تعلیمات کی عکاس نہ تھی بلکہ اُس پر جاہلی رسوم ورواج اور ادنیٰ جذبات کا غلبہ ہو چکا تھا۔ جب مسلمانوں پر مغرب کا عسکری وسیاسی غلبہ ہوا تو وہ مغربی معاشرت دیکھ کر حیران رہ گئے۔ مسلمان دین کی سند پر اپنی حیا اور عزت وناموس کی حفاظت کرتے تھے پھر بھی پس ماندہ تھے جبکہ مغرب بے حیائی، اختلاط اور بے پردگی کے باوجود ترقی یافتہ تھا۔ اس طرح مسلمانوں میں یہ عقلیت پیدا کی گئی کہ پس ماندگی کا سبب اسلام اور ناقص مشرقی معاشرت ہے۔

محمد علی مصری کے دور میں مسلم طلبا کے طائفے یورپی ممالک سے کھیپ در کھیپ پڑھ کر آئے۔ انھوں نے اسلامی معاشرت اور مغربی معاشرت کا فرق کھول کھول کر بیان کیا اور مغربی طور طریقوں کو افضل قرار دیا۔ عالم اسلام میں نسوانی قضیے کی ابتدا جمال الدین افغانی سے ہوئی جس کے نزدیک مشرق کی خرابیوں کی جڑ عورت ومرد کو مساوی نہ سمجھنا تھا۔ محمد عبدہ اور قاسم امین افغانی کے شاگرد تھے۔ قاسم امین نے ۱۸۹۷ء میں عورت کے اسلامی تصورات پر خطرناک ترین حملے کیے۔ اُس نے حجاب کو رذیل ترین اخلاق کا سبب قرار دیا اور ترقی کی راہ میں رکاوٹ باور کرایا۔ قاسم کے نزدیک مسلمانوں کے مرض کا علاج یہ ہے کہ اُن کی تربیت مغربی طریقے پر کی جائے۔ ۱۹۱۹ء میں مصر کا استعمار کے خلاف انقلابی ماحول پیدا ہوا تو اس میں عورتوں نے احتجاجی سیاست کا بھرپور مظاہرہ کیا جس سے اُن کی لادین حقوق کی سیاست خوب مقبول ہوئی۔

بیداریٔ نسواں کی اوّلین تحریک کی قیادت ہدیٰ الشعراوی نے کی جس کا سرپرست سعد زغلول تھا۔ ۱۹۴۵ء کی مصری نسوانی تحریکوں کی رسوائیوں کو مصری اخبارات نے خود نشر کیا۔ یہ تنظیمیں مغرب سے مال وصول کرتیں اور مسلمانوں میں بے حیائی پھیلاتیں۔ جدید مصری صحافت نے مغربی فیشن اور مغربی نسوانیت کو فروغ دینے میں بھرپور حصہ لیا۔ یونیورسٹی میں مخلوط تعلیم کو طلبا کے احتجاج کے باوجود غالب کیا گیا۔ اسماعیل مظہر نے عورت کی گھرداری کو فرسودہ ناقص اور غیر اسلامی نظام قرار دیا۔ عورت کی وراثت، گواہی اور ملازمت کے حقوق وغیرہ کو مرد کے برابر قرار دیا۔ خالد محمد خالد نے تعدد ازواج اور خاوند کے اسلامی حق طلاق پر پابندی کا مطالبہ کیا۔

اس طرح عالم اسلام میں بتدریج اخلاقی بے راہ روی پروان چڑھ گئی۔ ترکی میں مختصر لباس اور اعلانیہ بوس وکنار عام ہوا۔ افریقہ، الجزائر، تیونس وغیرہ میں فحاشی استعمار سے آزادی کے بعد زیادہ بڑھ گئی۔ الیکٹرونک میڈیا، اخبارات ورسائل اور سائن بورڈ نے فحاشی کے فروغ میں خوب حصہ لیا۔ ہر طرف مخلوط تعلیم، مخلوط

سرکاری ادارے، گھر بازار اور عوامی مقامات پر مرد وزن کی بے حجاب معاشرت پھیل گئی۔ نتیجہ میں معاشرتی جرائم، قتل، لوٹ مار، آوارہ گردی، گھروں کا ٹوٹنا، غیر محفوظ نسل اور خاندانوں کا بکھرنا بھی عام ہوگیا۔ عالم اسلام میں ابھی بھی بے پردگی کو ترقی اور خوش حالی کی علامت سمجھا جاتا ہے۔

کیا عالم اسلام میں سیکولرزم کے وہ اسباب موجود ہیں جو یورپ میں تھے!

یورپ کا سیکولرزم تحریف شدہ مسیحیت سے پیدا ہوا۔ غیر عقلی اور غیر فطری نظریۂ تثلیث، اناجیل کی تحریف، خدائی حقوق پر مبنی پاپائیت، موروثی گناہ کا غیر عقلی تصور، بخشش کے سرٹیفکیٹ جو ادیان کی تاریخ کی بدترین بدعت تھی۔ یہ وہ اُمور تھے جن کی وجہ سے یورپ کے خواص وعوام دین سے متنفر ہوئے اور انھوں نے قدیم یونانی ورومی علوم وآداب کا احیا کیا اور زندگی کی بنیاد وحی الٰہی کو چھوڑ کر فلسفے پر قائم کی۔

اسلام کو یورپ کے دین مسیحیت جیسے حالات پیش نہ آئے۔ اسلام کا عقیدۂ توحید سادہ اور فطری ہے۔ قرآن اللہ کا محفوظ کلام ہے، محمدی شریعت زندگی کے تمام پہلوؤں پر محیط ہے۔ اسلام نبوی دور میں ہی شریعت الٰہی پر مبنی حکومت قائم کرنے میں کامیاب ہوگیا جبکہ مسیحیت ایسا نہ کر سکی۔ اسلام کے علما کے لیے پاپائیت جیسے اختیارات بھی نہیں اور اُن جیسا جبر واستبداد بھی نہیں۔ اسلام میں باطل فرقے پیدا ہوئے لیکن وہ اسلام کی سنّی تشریح پر غالب نہیں آسکے جبکہ مسیحیت کا حقیقی دین شروع میں ہی مغلوب ہوگیا۔ اسلام میں مسیحیت کی طرح مذہبی پیشوائیت نہیں جو عوام اور اللہ کی عبادت کے درمیان واسطہ ہو بلکہ یہاں ہر شخص براہ راست اللہ سے تعلق قائم کر سکتا ہے۔ اسلام میں کبھی بخشش کے سرٹیفکیٹ تقسیم نہیں ہوئے اور نہ بندوں کے سامنے اقرارِ گناہ کی رسم موجود رہی۔ اسلام نے کلیسا کی طرح دینی پیشواؤں کی تنظیم نہیں بنائی جو عوام کا فکری، معاشی، معاشرتی اور سیاسی استحصال کرے۔ اسلام نے مسیحیت کی طرح علوم کی دینی ودنیاوی تقسیم نہیں کی اور نہ رہبانیت کی اجازت دی۔ اسلام کے نزدیک اللہ نے آدم کا گناہ معاف کر دیا تھا اور اُن کا گناہ ان کی اولاد میں منتقل نہیں ہوا۔ اسلام میں کسی سطح پر واسطوں کا شرک پیدا ہوا لیکن علمائے اسلام نے اُس کے خلاف آواز اٹھائی اور حقیقتِ توحید کو گم ہونے سے محفوظ کیا۔ ان باتوں سے پتہ چلتا ہے کہ اسلام کو ویسے حالات پیش نہیں آئے جیسے یورپ کو پیش آئے۔ لہٰذا اسلام کو سیکولرزم قبول کرنے کی ضرورت نہیں۔

اسلام میں سیکولرزم کا حکم

سیکولرزم دو اعتبار سے اسلام کے منافی ہے:

۱۔ سیکولرزم تصور عبادت کے منافی ہے: عبادت اللہ کی کلی فرماں برداری اور مکمل زندگی رب کے حضور پیش کرنے کا نام ہے۔ سیکولر انسان اپنی فرماں برداری کے ٹکڑے کرتا ہے اور کچھ حصہ اللہ کے لیے مختص کرتا ہے اور کچھ حصہ غیر اللہ کے لیے بجالاتا ہے۔ اسلام میں دنیا وآخرت کی سرگرمیاں ایک دوسرے سے جدا نہیں۔ دنیا کا ہر وہ کام جو اللہ کی رضا کے لیے کیا جائے وہ عبادت ہے، چاہے وہ کاروبار ہو یا سیاست، فن وادب ہو یا تعلیم وتربیت، گھر بار ہو یا وطن وقوم کی خدمت۔

سیکولرزم غیر اللہ کی فرماں برداری کو بھی روا سمجھتا ہے۔ غیر اللہ کی فرماں برداری کو جائز سمجھنا، اُس کی غیر مشروط اطاعت کو لازم ماننا، اُس کے احکامات اور قوانین کو دین سے زیادہ قابل قدر سمجھنا... یہ تمام امور نصوص شرعیہ کے مطابق کفر اکبر ہیں۔

۲۔ سیکولرزم 'حکم بغیر ما انزل اللہ' ہے: یعنی اس میں اللہ کی نازل کردہ شریعت کے مطابق انفرادی یا اجتماعی فیصلے نہیں ہوتے۔ یہ چیز فقط گناہ ہی نہیں بلکہ شرک ہے۔ جب کوئی شخص زندگی کے کسی شعبے میں شریعت کی اتباع کو لازم نہ سمجھے یا اللہ کے حکم کی تنفیذ کو واجب قرار نہ دے تو وہ بالاتفاق دائرۂ اسلام سے خارج ہے۔ غیر اسلام کو قانون سمجھنا شرک ہے جیسا کہ قرآن وحدیث کی کئی نصوص دلالت کرتی ہیں۔ اور قرآن وسنت سے خود ساختہ غیر معصوم قوانین کو دستوری حیثیت دینا گناہ ہے، جس کے نتیجے میں مسلم ممالک میں دسیوں شرعی اور متصادم قوانین متعارف ہوسکتے ہیں۔

۳۔ سیکولرزم اپنی فکر کے اعتبار سے ادیان کو برحق نہیں سمجھتا: سیکولر لوگ خدا کے وجود کے اقرار کے باوجود دین اور وحی کو حجت نہیں سمجھتے اور نہ ہی اِس کی اتباع کو لازم قرار دیتے ہیں۔ سیکولرزم کا اخلاق فواحش، مادیت، اباحیت، دینی وسماجی روایات سے انحراف اور نفسانی خواہشات پر مبنی ہوتا ہے۔ سیکولرزم کا قانون اور نظام دین سے علیحدگی پر مشتمل ہوتا ہے۔ دین کو چند انفرادی رسوم میں محدود کرکے زندگی کے باقی تمام اجتماعی شعبے دین سے آزاد کیے جاتے ہیں۔

سیکولرزم کی فکر، اخلاق اور قانون تینوں اسلام کی عبدیت کے منافی ہیں۔ انسان اپنی فکر، اخلاق اور قانون میں اللہ کا عبد ہے اور اُس کی رضا کا پابند، وہ آزاد مخلوق نہیں۔

☆ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ سیکولرزم کفر وشرک نہیں کیونکہ اس کے ماننے والے اللہ کا اقرار کرتے ہیں اور نمازیں پڑھتے ہیں۔ اُن کی بات کئی اعتبار سے غلط ہے:

① قریش مکہ اللہ کا اقرار کرتے تھے اور نمازیں بھی پڑھتے تھے۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ وہ اللہ کے ساتھ

شرک بھی کرتے تھے۔ اس لیے نبی اکرم ﷺ نے اُن کے ساتھ ۱۳ سال تبلیغی جدوجہد کی اور دس سال جہاد کیا۔

④ علمائے دین نے اسلام کو توڑ دینے والے اُمور بتلائے ہیں جن کا ارتکاب کرنے سے کلمہ پڑھنا اور نمازیں ادا کرنا بے معنیٰ ہو جاتا ہے اور انسان دائرہ اسلام سے خارج ہو جاتا ہے۔ اُن کو نواقض اسلام کہتے ہیں۔ سیکولرزم کو برحق جاننا ناقض اسلام ہے۔ اس کی موجودگی میں اللہ پر ایمان اور نماز کی ادائیگی معتبر قرار نہیں پاتی۔

سیکولر لوگ اللہ کی عبادت کے معنی و مفہوم کو نہایت محدود قرار دیتے ہیں اور یہ بات قابل تعجب نہیں۔ حضرت عدی بن حاتم دورِ جاہلیت میں عبادت کو محدود سمجھتے تھے۔ نبی اکرم ﷺ نے اُن کو بتلایا کہ اللہ کے مقابلے میں کسی کے امر و نہی کو تسلیم کرنا، اُس کی عبادت کرنا ہے۔

سیکولرزم توحیدِ الٰہی میں شرک ہے، وہ نبوت کے خلاف بغاوت ہے، وہ غیر اللہ کی حاکمیت کو جائز سمجھنا ہے۔ وہ اسلام کی اصل کے منافی ہے۔ وہ طاغوت کی عبادت ہے۔ سیکولرزم جاہلیت کا فروغ اور خواہش نفس کی عبودیت ہے۔ سیکولرزم فساد فی الارض ہے!!

بعض لوگوں کا خیال ہے کہ انسانی زندگی تبدیل ہوتی رہتی ہے جبکہ شریعت کے احکام ٹھوس اور جامد ہیں، یہ زندگی کے تمام مسائل حل نہیں کر سکتی۔ یہ بات بھی بالکل باطل ہے۔ اسلام زندگی کے تمام مسائل کا حل پیش کرتا ہے اور قیامت تک انسان کی راہنمائی کرتا رہے گا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے انبیا کے ذریعے معاشرے کی فلاح کا راستہ واضح کیا ہے۔ علوم نبوت کے حامل علمائے کرام کو معاشرے کے ہر زندہ مسئلہ پر اسلامی رہنمائی کی بھرپور تیاری کرنی چاہیے، جیسے فلسفہ یونان کے دور میں علمائے حقہ نے ہر انحراف کا کافی وشافی جواب دیا تھا۔ قرآن وسنت کے معانی ومفاہیم میں درک وبصیرت حاصل کیا جائے، ہر سوال کی کافی وضاحت یہاں سے مل سکتی ہے، یہی وہ چشمہ صافی ہے جس سے فیض پاکر شمع نبوت کے پروانے جاہلیت قدیمہ اور وقت کی سپر پاورز کو اللہ کے جھنڈے تلے لائے، اور اسی سے جاہلیتِ جدیدہ کے تاروپود بکھریں گے۔

مسلمانوں کو چاہیے کہ قرآن وسنت کو سیکھیں اور پڑھیں، وہ معتبر ومستند علمائے دین سے سوال کریں، اور جب رہنمائی مل جائے تو اس پر خلوص دل سے عمل کریں تو کفر کی یہ ظلمتیں چھٹ جائیں گی اور اسلام کا نور دنیا پر غالب آجائے گا اور اس کا اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں سے وعدہ کر رکھا ہے۔ ☆☆

مذہب بیزاری کی ایک اہم دلیل کا تجزیہ

دنیا میں آن گنت چیزوں کی موزونیت خالق ازل کے ہونے کی حتمی دلیل ہے!

ابو یحییٰ مدیر ماہنامہ 'انذار'

برٹرینڈ رسل Bertrand Russell(۱۸۷۲ء-۱۹۷۰ء) دور جدید کا وہ مفکر اور فلسفی ہے جس نے مغربی فکر اور اقدار کو بہت زیادہ متاثر کیا ہے۔ مثال کے طور پر آج کے مغرب میں ایک غیر شادی شدہ خاتون کے لیے عفت و عصمت کوئی قابل لحاظ چیز نہیں ہے۔ مگر مغرب ہمیشہ سے ایسا نہ تھا۔ انیسویں صدی کی وکٹورین اقدار کے تحت مغرب ایک عفت پسند معاشرہ تھا۔ مگر بیسویں صدی میں یہ برٹرینڈ رسل ہی تھا جس نے اپنی مشہور کتاب Marriage and Morals میں اس تصورِ عفت کو دور جدید میں ناقابل عمل قرار دیا تھا۔ شروع میں اس کی سخت مخالفت ہوئی لیکن رفتہ رفتہ اس کی بات کو قبول کر لیا گیا اور بعد میں اس کتاب کی بنیاد پر اسے نوبل پرائز بھی ملا۔

اس نقطۂ نظر کی قبولیت کی اساس یہ حقیقت تھی کہ صنعتی انقلاب کے بعد نوجوان تعلیم، ملازمت اور پھر صنعتی دور کی ایجادات کے بعد وجود میں آنے والے ایک خاص معیارِ زندگی تک پہنچتے پہنچتے تیس برس کی عمر کو پہنچ جاتے تھے۔ رسل کے سامنے سوال یہ تھا کہ شادی اگر اس عمر میں ہو گی تو اس انسانی ضرورت کا کیا ہو گا جو بلوغت کے فوراً بعد پوری شدت سے پیدا ہو جاتی ہے۔ چنانچہ اس کا حل یہ تھا کہ انسانی ضرورت کو شادی سے الگ کر دیا جائے۔ یوں ایک نوجوان خاتون یا مرد شادی تو تیس برس کی عمر کے لگ بھگ، زندگی میں سیٹ ہونے کے بعد ہی کرے، لیکن اپنی انسانی ضرورت شادی کے بغیر پورا کرتا رہے۔ اس کا لازمی نتیجہ تصورِ عفت کا خاتمہ تھا۔

رسل کے اس حل نے بیسویں صدی کے مغرب میں ایک مسئلہ حل کیا لیکن کئی اور مسائل پیدا کر دیے۔ اس کی تفصیل ہماری اس تحریر کا موضوع نہیں ہے۔ لیکن سر دست ہم صرف یہ توجہ دلانا چاہتے ہیں کہ آج ہم ٹھیک اسی جگہ کھڑے ہوئے ہیں جس جگہ ایک صدی قبل مغرب کھڑا ہوا تھا۔ ظاہر ہے کہ ہم رسل کا بیان کردہ حل نہیں قبول کر سکتے۔ مگر بدقسمتی سے معاشرہ اتنے سنگین انسانی مسئلے کو حل کرنے کے لیے بالکل بے

حس بنا ہوا ہے۔ جس کے نتیجے میں منافقت، جنسی انارکی اور بے راہ روی بڑھ رہی ہے۔ اس مسئلے کا ہمارے معاشرے اور ہماری مذہبی اقدار کے تحت کیا حل ہے، اس پر ہم نے پہلے بھی قلم اٹھایا تھا اور انشاء اللہ آئندہ بھی لکھتے رہیں گے۔ مگر یہ ایک الگ موضوع ہے۔ سردست جو بات اس مثال سے واضح کرنی مقصود تھی وہ یہ کہ برٹرینڈ رسل کا فکری طور پر مغرب میں کتنا اثر تھا اور آج تک ہے۔

رسل کا حوالہ آج جس پہلو سے دینا مقصود ہے، وہ اس کا ایک دوسرا مضمون Why I am not a Christian? ہے جو دراصل رسل کا ایک لیکچر ہے جو ۱۹۲۷ء میں دیا گیا تھا۔ اس میں رسل نے وجودِ باری تعالیٰ کے حوالے سے دی جانے والی مختلف دلیلوں کو رد کیا ہے۔ یہ مضمون جو بہت مشہور ہوا، بعد میں اسی موضوع سے متعلق بہت سے دیگر مضامین کے ساتھ ایک مجموعے کی شکل میں Why I am not a Christian? کے عنوان ہی سے شائع ہوا۔ اس مجموعے کے مقدمے میں رسل نے مذہب اور وجود باری تعالیٰ کی نفی کرتے ہوئے ایک حیران کن بات لکھی ہے۔ وہ اسی کے الفاظ میں درج ذیل ہے:

"There is one of these arguments which is not purely logical. I mean the argument from design. This argument, however, was destroyed by Darwin"

رسل کا مطلب یہ ہے کہ خدا کے وجود کے حق میں پیش کیے جانے والے تمام دلائل ارسطو کی پیش کردہ قدیم یونانی منطق پر مبنی تھے جو ویسے ہی رد ہو چکی ہے۔ وہ ان دلائل میں واحد استثناء دنیا میں پائے جانے والے نظم کی بنیاد پر ایک ناظم یا خدا کے وجود کی دلیل کو سمجھتا ہے۔ تاہم اس کے نزدیک یہ دلیل بھی ڈارون کے نظریۂ ارتقا نے ختم کر دی ہے۔ کیونکہ ارتقا کے نظریے نے یہ بتا دیا ہے کہ دنیا میں زندگی اور اس میں اتنا تنوع کیسے وجود میں آیا۔ اس کیلئے کسی خدا کو ماننے کی ضرورت نہیں ہے۔

تاہم یہ بات سمجھ لینا چاہیے کہ برٹرینڈ رسل کا مسئلہ خدا نہیں، مذہب ہے۔ اس نے اسی کتاب کے مقدمے میں خود واضح کیا ہے کہ وہ مذہب کو غلط ہی نہیں سمجھتا بلکہ اس کے ساتھ وہ اسے نقصان دہ بھی سمجھتا ہے۔

I am as firmly convinced that the religions do harm, as I am that they are untrue.

یہ صرف برٹرینڈ رسل کا معاملہ نہیں، الحاد کے بیشتر پیروکار مذہب کے بارے میں ایسی ہی یا اس سے ملتی جلتی کوئی اور منفی رائے رکھتے ہیں۔ مذہب کے بارے میں اس رائے کی دو وجوہات برٹرینڈ رسل اور دیگر ملحدین بیان کرتے ہیں۔ ایک یہ کہ اہل مذہب اپنے عقائد اور تصورات کے سامنے کسی ثابت شدہ سچائی کو مانتے ہیں اور

نہ اس کے خلاف کوئی عقلی استدلال قبول کرتے ہیں۔ جبکہ اہل مذہب کی دوسری روش یہ ہے کہ وہ تنقید کرنے والوں اور علم و عقل کی بات کرنے والوں کے دشمن بن کر کبھی انھیں قتل کر دیتے ہیں، کبھی جیل اور نظر بندی کا نشانہ بناتے ہیں، کبھی ان کی کتابیں جلاتے ہیں اور کبھی تشدد سے کام لے کر ان کا راستہ روکتے ہیں۔ اسی طرح اہل مذہب دوسرے مذاہب کے حوالے سے بھی عدم رواداری کا شکار ہوتے ہیں اور ان کو شکست دینے، مٹا دینے اور ان پر اپنا غلبہ قائم کرنے کے درپے رہتے ہیں۔ یہ وہ دو چیزیں ہیں جن کی بنا پر ملحدین مذہب کو ناحق اور نقصان دہ سمجھتے ہیں۔ اور ظاہر ہے کہ مذہب کا تصور ہی خدا سے آتا ہے اس لیے مذہب کا انکار کرنے کے لیے ضروری ہے کہ خدا کا انکار کیا جائے۔

اسلام کا جواب

ملحدین کا نقطہ نظر سامنے آنے کے بعد اب ضروری ہے کہ اس نقطہ نظر کا جائزہ لے کر دیکھا جائے کہ یہ کس درجہ میں معقولیت اور حقیقت پر مبنی ہے۔ اس حوالے سے پہلی بات ارتقا کا وہ نقطہ نظر ہے جس کے متعلق ملحدین کا خیال ہے کہ اس نے خدا کے تصور کی ضرورت کو ختم کر دیا ہے۔ جیسا کہ اوپر بیان ہوا ہے کہ خدا کے وجود پر شاہد کائنات کا یہ نظم جو زبانِ حال سے اپنے خالق کا تعارف ہے، بقول برٹرینڈ رسل ڈارون اور اس کے نظریۂ ارتقا نے اس دلیل کو ختم کر دیا ہے۔ اسی بنا پر ڈارون کے متعلق ملحدین یہ کہتے ہیں کہ 'اس نے معاذ اللہ خدا کو قتل کر دیا۔'

اس نقطہ نظر کا جائزہ قرآن مجید کی روشنی میں لینے سے قبل یہ بتانا ضروری ہے کہ جس خدا کو قتل کرنے کا دعویٰ کیا جاتا ہے، وہ مسیحیوں کا وہ خدا تھا جس نے زمین کو ۴۰۰۴ قبل مسیح ۲۲/ اکتوبر کی شام بنایا تھا۔ جس نے صبح و شام کے وقفے میں ایک ہی دن میں ساری مخلوقات کو پیدا کر دیا تھا۔ اور جس نے ہفتے کے چھ دنوں میں پوری کائنات بنادی اور ساتویں دن آرام کیا۔ ظاہر ہے کہ مذہب اور خدا کے نام پر جب ایسے دعوے کیے جائیں گے تو پھر وہی ہونا بھی ہے جو پیچھے بیان ہوا ہے۔

تاہم نزولِ قرآن کے بعد اب خدا کی بات جاننے کا واحد قابل اعتماد ذریعہ قرآن مجید ہے۔ چنانچہ جب ہم قرآن مجید کو دیکھتے ہیں تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ قرآن مجید بھی تخلیق کائنات، انسان اور دیگر مخلوقات کی تخلیق اور انفس و آفاق کے آثار پر بار بار گفتگو کر رہا ہے، مگر مجال ہے کہ قرآن میں ایک لفظ بھی ایسا پایا جائے جسے سائنس کی کسی بھی ترقی نے غلط ثابت کر دیا ہو۔

اس کے بالکل برعکس محسوس ہوتا ہے کہ قرآن مجید اپنے ابدی اسلوب میں گویا انھی سوالات کا جواب دے رہا ہے جو آج کے انسان کے ذہن میں الحادی فکر نے پیدا کر دیے ہیں۔ قرآن مجید کائنات میں ہر سو پھیلی قدرت، ربوبیت اور حکمت کی نشانیوں کو بنیاد بنا کر ایک واضح سچائی کو لوگوں کے سامنے رکھتا ہے۔ وہ یہ کہ یہ کائنات جو ہر پہلو سے مجموعۂ اضداد ہے اور مختلف عناصر سے مل کر بنی ہے اور جس کی تمام طاقتیں زندگی کے لیے موت کا پیغام لاتی ہیں، اچانک اس کرۂ ارض کے لیے ایک بالکل جداروپ اختیار کر لیتی ہے۔ یہاں ہر کائناتی قوت اور عنصر زندگی کے فروغ اور اس کی بقا کی خدمت پر مامور ہے۔ قرآن کا دعویٰ ہے کہ یہ سب کچھ اللہ رب العالمین کی ہستی نے کیا ہے۔

یہی وہ بات ہے جس کے متعلق برٹرینڈ رسل کا دعویٰ ہے کہ اسے ارتقانے باطل کر دیا ہے۔ سوال یہ ہے کہ کیسے باطل کیا ہے؟ برٹرینڈ رسل نے اپنے استدلال کی تفصیل Why I am not a Christian? میں اس طرح کی ہے:

> It is not that their environment was made to be suitable to them, but that they grew to be suitable to it, and that is the basis of adaptation. There is no evidence of design about it.

اس کا مدعا یہ ہے کہ حیات کے لیے موزوں ماحول کا مطلب یہ نہیں کہ کسی خدا نے زندگی کو پیدا کرنے کے لیے اس زمین پر زندگی کے لیے ساز گار ماحول کو پیدا کیا۔ بلکہ اصل بات یہ ہے کہ اس ماحول کی وجہ سے زندگی نے جنم لیا اور پھر وہ زمین پر ہر جگہ اس ماحول کے لحاظ سے مختلف شکلوں میں ڈھلتی چلی گئی۔ اس لیے نظم کائنات یا ڈیزائن کی بنیاد پر خدا کے ہونے کی بات کرنے کوئی ثبوت نہیں۔

برٹرینڈ رسل کے استدلال کی کمزوری

بظاہر یہ بات بڑی مضبوط معلوم ہوتی ہے، مگر حقیقت میں اس سے زیادہ کمزور اور بودی بات نہیں ہو سکتی۔ اگر یہ بات درست ہے تو پھر چاند پر چاند کے ماحول اور حالات کے لحاظ سے ایک خاص طرح کی زندگی وجود میں آجانی چاہیے تھی۔ مریخ پر مریخ کے حالات کے لحاظ سے ایک طرح کی زندگی وجود میں آجانی چاہیے تھی۔ اسی طرح دیگر سیاروں کا بھی معاملہ ہے۔ مگر ہم جانتے ہیں کہ ایسا کچھ بھی نہیں ہوا۔ انسان چاند پر جا چکا ہے۔ مریخ پر اس کی بنائی ہوئی مشینیں اتر چکی ہیں۔ جبکہ اس کے بنائے ہوئے خلائی جہاز پورے نظام شمسی کا سفر کر کے اس

سے باہر نکل چکے ہیں۔ زندگی کہیں نہیں ملی۔ جبکہ اس اُصول کے مطابق تو ہر جگہ زندگی کی کسی نہ کسی شکل کو ہونا چاہیے تھا۔

حقیقت یہ ہے کہ زندگی کو بنانے اور باقی رہنے کے لیے ایک انتہائی خاص قسم کا ماحول چاہیے۔ اگر زندگی کی توجیہ یہ کہہ کر کی جائے گی کہ یہ ماحول کی پیدا کردہ ہے تو اگلا سوال یہ پیدا ہو جائے گا کہ یہ ماحول کیسے وجود میں آگیا؟ خود سائنس دان یہ تسلیم کرتے ہیں کہ زندگی کو وجود میں لانے کے لیے کسی سیارے پر متعدد عوامل کا موجود ہونا ضروری ہے۔ ساٹھ کی دہائی میں مشہور ماہر فلکیات اور ملحد دانشور کارن ساگان نے ان کی تعداد دو بتائی تھی اور اب سائنسدان ان کی تعداد دو سو سے زائد بتاتے ہیں۔ جبکہ سائنسی دریافتوں کے ساتھ ان عوامل کی تعداد مزید بڑھے گی۔ یہ سارے عوامل ایک ساتھ کسی سیارے پر اتفاق سے جمع ہو جائیں ایسا ہونا خالص حسابی بنیادوں پر بھی بہت مشکل بلکہ ناممکن ہے۔ پھر مسئلہ صرف زندگی کے وجود میں آنے کا نہیں بلکہ کائنات کے وجود میں آنے اور باقی رہنے کا ہے۔ یہ کائنات جن عناصر سے مل کر بنی ہے جو قوتیں اس میں کارفرما ہیں، وہ جب تک ایک خاص ترتیب میں نہ ہوں، یہ کائنات نہ بن سکتی تھی، نہ باقی رہ سکتی ہے۔

اللہ کو ماننا ایک عقلی تقاضا ہے!

ہم نے اپنی کتاب 'قسم اُس وقت کی' میں مذہب مخالف تمام سوالات کو جمع کر کے اُن کے جواب دیے ہیں۔ وہیں ہم نے ناول کی مرکزی کردار نائمہ کے نام کی مثال دے کر یہ واضح کیا ہے کہ جو لوگ محض بخت و اتفاق کو ایسی بامعنیٰ اور بامقصد چیزوں کے وجود میں آنے کا ذریعہ سمجھتے ہیں، وہ جان لیں کہ یہ حسابی طور پر ناممکن ہے۔ اندازہ کیجیے کہ اس بات کو یقینی بنانے کے لیے کہ انگریزی زبان کے چھبیس حروفِ تہجی میں سے پانچ حروف پر مشتمل لفظ Naima وجود میں آئے، ۶۰۰، ۹۳، ۷۸ منفرد الفاظ لکھنے ضروری ہیں۔ یہ اتفاق کو بنیاد بنا کر محض ایک لفظ لکھنے کا معاملہ ہے۔ دوسری طرف کائنات جیسی جگہ میں جہاں مختلف قسم اور تعداد کے سب اٹامک پارٹیکل، ایٹم، مالیکیول، عناصر اور ان سے مل کر وجود میں آنے والے لاتعداد عوامل پائے جاتے ہیں، وہاں زندگی کا وجود میں آنا اور اس کے لیے درکار دو سو سے زائد عوامل کا محض اتفاق سے جمع ہو جانا عملاً ناممکن ہے۔ کائنات میں کھربوں کو کھربوں سے ضرب دے کر جو عدد حاصل ہو، کائنات میں موجود سیاروں کی تعداد اگر اس سے بھی زیادہ ہو، تب بھی اتنے زیادہ عوامل کا کہیں ایک ساتھ جمع ہو جانا اتفاق سے نہیں ہو سکتا۔ اس لیے ہم بہت اعتماد سے یہ کہتے ہیں کہ موجودہ دور میں سائنس نے کائنات اور زندگی سے متعلق جن حقائق کو کھول کر

رکھ دیا ہے، ان کے بعد ایک خالق کو ماننا کسی اندھے عقیدے کا معاملہ نہیں بلکہ ایک لازمی عقلی تقاضا ہے۔ ہاں خدا کا انکار کرنا ایک اندھا عقیدہ ہے، جو علم و عقل کے سراسر خلاف ہے۔

اللہ کو ماننا کس طرح ایک عقلی تقاضا ہے، اس کا اندازہ اس بات سے کیا جاسکتا ہے کہ ملحدین بھی جب ارتقا کی روشنی میں زندگی کے تنوع اور پیچیدگی کو بیان کرتے ہیں تو قدم قدم پر یہ کہنے پر مجبور ہو جاتے ہیں کہ نیچر نے فلاں موقع پر یہ کر دیا۔ اس کا سادہ مطلب یہ ہے کہ کسی چیز کی تخلیق یا اس کی زندگی سے موافقت کی توجیہ کرنے کے لیے اہل مذہب خدا کا نام لیتے ہیں، ملحدین ایسے سارے مواقع پر فطرت یا نیچر کا نام لے دیتے ہیں۔ ایسے میں صرف یہی عرض کیا جاسکتا ہے کہ آپ نے خدا کا انکار نہیں کیا۔ اپنے خدا کا نام بدل کر نیچر رکھ دیا ہے۔ آپ اس 'خدا' سے سارے کام خدا ہی کے لے رہے ہیں۔ بس اسے خدا ماننے کے لیے تیار نہیں ہیں۔

اس پر مستزاد یہ حقیقت ہے کہ آپ اس نظم کائنات کو طبعی یا حیاتیاتی قانون کا نتیجہ سمجھتے ہیں، تب بھی اگلے لمحے یہ سوال پیدا ہو جاتا ہے کہ ایسا بامعنی اور بامقصد قانون کس نے بنایا؟ آپ کہیں گے کہ کائنات نے ۱۳٫۷ ارب سال کی مدت میں یہ قوانین خود ہی بنا لیے۔ ہم یہ عرض کریں گے کہ اب آپ نے خدا کا کام کائنات سے لیتے ہوئے اپنے خدا کا نام کائنات رکھ لیا۔ تاہم یہ جان لیجیے کہ آپ کا یہ خدا کسی بت سے بالکل مختلف نہیں۔ یہ بھی ایک بت کی طرح بے جان اور بے شعور مادہ ہے اور کچھ نہیں۔

ویسے قارئین کی معلومات کے لیے عرض ہے کہ یہ بھی ایک ہوائی بات ہے کہ کائنات نے اربوں برس میں خود ہی قوانین بنا لیے۔ سائنس نے اب یہ بتا دیا ہے کہ بگ بینگ کے پہلے لمحے کے اندر اندر ہی طبعی قوانین نے اپنا کام شروع کر دیا تھا۔ یہ نہ ہوتا تو کائنات اپنی پیدائش کے پہلے لمحے ہی میں ختم ہو جاتی۔ سائنس کا ہر طالب علم جانتا ہے کہ اس کائنات میں چار بنیادی طاقتیں کار فرما ہیں: قوتِ کشش، الیکٹرومیگنیٹک قوت، طاقتور نیوکلیائی قوت، کمزور نیوکلیائی قوت۔ سائنس دان بتاتے ہیں کہ یہ قوتیں بگ بینگ کے پہلے سیکنڈ ہی میں فعال ہو گئی تھیں اور ان کی ویلیو یا مقدار اسی وقت طے ہو گئی تھی۔ سوال یہ ہے کہ اتنے کم وقت میں کون سا ارتقا ہو سکتا ہے؟ یہ صرف اور صرف ایک بااختیار، طاقتور، علیم و حکیم ہستی کا کام ہے۔ یہی خدا ہے۔ یہی اللہ ہے۔

مذہب پر کیے جانے والے اعتراضات کی حقیقت

اس کے بعد اگلی چیز مذہب پر کیے جانے والے دو اعتراضات ہیں: یعنی مذہب عقل کے خلاف ہے اور یہ کہ اس کے پیروکاروں میں عدم برداشت اور نفرت پائی جاتی ہے۔ اس اعتراض کا جواب یہ ہے کہ اس دنیا میں

مذہب کے نام پر دو چیزیں پائی جاتی ہیں۔ ایک خدا کا نازل کردہ مذہب جو صرف اور صرف قرآن مجید اور سیرت رسول اللہ ﷺ میں پایا جاتا ہے۔ دوسرا وہ مذہب جو دنیا کے تمام مذہبی گروہ بشمول مسلمان اختیار کیے ہوئے ہیں۔ یہی وہ دوسرا مذہب ہے جو ہمیشہ دنیا کے سامنے آتا ہے۔ ہم تفہیم مدعا کے لیے پہلے مذہب کو الہامی مذہب اور دوسرے کو انسانی مذہب کہہ لیتے ہیں۔ بدقسمتی سے ملحدین جو اعتراض کرتے ہیں، وہ اس انسانی مذہب کے بارے میں بالکل درست ہے۔ انسانی فکر کی آمیزشوں اور انحرافات کے ساتھ مذہب میں ہمیشہ یہ مسائل پیدا ہو جاتے ہیں۔

تاہم الہامی مذہب جو دین اسلام ہے۔ اپنی اصل تعلیم کے لحاظ سے ایک بالکل مختلف جگہ پر کھڑا ہے۔ قرآن اپنے نہ ماننے والوں کے درمیان نازل ہوتا تھا۔ اس کے پاس اپنی بات منوانے کا ایک ہی راستہ تھا۔ وہ یہ کہ اپنی بات کو دلائل سے ثابت کیا جائے۔ چنانچہ قرآن کی پوری دعوت نہ صرف عقلی دلائل پر کھڑی ہے بلکہ وہ بار بار یہ کہتا ہے کہ حقیقت اگر اسلام کے دعووں کے برعکس ہے تو اسے سامنے لایا جائے۔ اگر کوئی دلیل ہے تو پیش کی جائے۔ اگر سچائی کچھ مختلف ہے تو قرآن پیغمبر اسلام سے کہلواتا ہے کہ میں سب سے پہلے اسے قبول کروں گا۔ اس سے بڑھ کر معقولیت کا رویہ اور عقلی استدلال کو قبول کرنے کی روش اور کیا ہو گی؟

جہاں تک رواداری اور عدم برداشت کا معاملہ ہے تو اس میں قرآنِ مجید نے ایک بے مثال اُصول دے دیا ہے۔ لا اِکراہ فی الدین۔ یعنی دین کو قبول کرنے میں کوئی جبر نہیں۔ اسلام کو قبول کرنا بندے اور خدا کا معاملہ ہے۔ لوگوں کو ماننا ہے تو مانیں اور نہیں ماننا تو نہ مانیں۔ خدا کا کام حق پہنچانا اور سمجھانا ہے۔ یہ دنیا امتحان کے لیے بنائی گئی ہے، یہاں مکمل آزادی ہے۔ لوگوں کا دل چاہے تو دین حق کو مانیں اور نہ چاہے تو نہ مانیں۔ اللہ نے اس بنیاد پر کوئی سزا و جزا اس دنیا میں برپا نہیں کرنی۔ ہاں ایک روز آئے گا جب اللہ تعالیٰ غیب کا پردہ اُٹھا کر خود سامنے آجائیں گے۔ اس روز کوئی شخص خدا کا انکار نہیں کر سکے گا۔ اس روز ہر شخص سے پوچھا جائے گا کہ آزادی اور نعمتیں پا کر سرکش ہوئے یا بندگی اور نیکی کی راہ پر چلے۔ جو لوگ سرکش ہوئے اور حق کو جھٹلاتے رہے وہ اپنے انجام کو پہنچیں گے۔ رہے بندگی اور نیکی کی راہ پر چلنے والے تو یہ کائنات کی بیش قیمت نعمتیں یعنی جنات النعیم ہمیشہ کے لیے ان کے تصرف میں دے دی جائیں گی۔

اصل مسئلہ یہ نہیں کہ سچائی اور اس کے دلائل یہاں موجود نہیں۔ اصل مسئلہ وہ انسانی مذاہب ہیں جو خدا کے نام پر کھڑے ہو کر لوگوں کو غیر عقلی باتیں بتاتے اور نفرت اور عدم برداشت کا سبق دیتے ہیں۔ الہامی مذہب عقلی بھی ہے اور آزادی کا علمبردار بھی ہے۔ یہی اسلام ہے جو تا قیامت انسانیت کے لیے کافی رہنما ہے!

سعودی عرب میں خطبہ جمعہ کا نظام

حافظ خضر حیات
متعلم ایم فل حدیث، مدینہ یونیورسٹی

کچھ عرصہ سے پاکستان میں خطبا حضرات کو حکومتی تقریر کا پابند کرنے کا نظریہ پیش کیا جاتا ہے اور اس سلسلے میں سعودی عرب کے نظام مساجد کی دلیل بھی دی جاتی ہے کہ وہاں خطیب حکومت کی طرف سے لکھی لکھائی تقریر کرتے ہیں۔ سعودی عرب میں خطبہ جمعہ کا نظام پاکستان سے مختلف ہے، لیکن بہر صورت وہاں حکومتی تقریر کی پابندی کا کوئی تصور نہیں ہے۔

سعودی عرب کے کچھ اہل علم اور خطبا کے تجربات ومشاہدات

پاکستان سے کئی ایک اہل علم، علماو خطبا سعودی عرب میں دعوتی میدان میں مصروفِ عمل ہیں۔ ان سے معلومات لیں تو حقیقتِ حال بالکل واضح ہو جائے گی۔

① اس سلسلے میں ایک صاحب علم سے بات کی گئی تو بولے:

"جی ایسا ہرگز نہیں۔ میں ذاتی طور پر کئی خطبا کو جانتا ہوں۔ ہر خطیب اپنے طور پر نیٹ سرچ کرتا ہے جو خطبہ پسند آتا ہے اسے پرنٹ کر کے پیش کرتا ہے۔ کچھ تو اپنے ہاتھ سے لکھا ہوا خطبہ لے کر منبر پر تشریف لاتے ہیں، ہاں اگر کوئی خاص مہم ہو جیسے کوئی تکفیری منہج پر دہشت گردی کی کوئی واردات ہو یا اور اس جیسا کوئی واقعہ ہو تو حکومت کی طرف سے اس کی مذمت پر خطبہ دینے کا حکم آئے تو پھر اسی موضوع پر خطبہ ہوتا ہے۔"

② ایک اور صاحب کہتے ہیں:

"یہ بات بالکل بے بنیاد ہے۔ گزشتہ رمضان کے چاروں جمعے اور محرم کا ایک جمعہ اپنے ایک استاد کی کسی مصروفیت کی وجہ سے ان کی جگہ پڑھانے کا اتفاق ہوا تھا اور مسجد بھی وزارت اسلامی امور کے تحت تھی اور اکثر سعودی تھے، لیکن موضوع اپنی مرضی کا تھا۔"

③ عرصہ دراز سے جدہ میں مقیم ایک عالم دین لکھتے ہیں:

"الحمدللہ جدہ میں تقریباً ۲۸ مساجد میں مرکزی جمعیت اہل حدیث کے زیر اہتمام اُردو زبان میں خطباتِ جمعہ ہو رہے ہیں۔ میں خود بھی ربع صدی سے وزارت داخلہ اور وزارت اسلامی امور کی اجازت سے جدہ میں معروف خطیبوں کے خطبات کا ترجمہ کر رہا ہوں۔ بلکہ بہت سے خطیبوں کو موضوع اور مواد بھی فراہم کیا ہے،

حکومت کی طرف سے تقریر آنے کا کوئی سلسلہ نہیں ہے۔ہاں اہم مواقع پر بعض دفعہ، کسی خاص موضوع پر تقریر کرنے کا کہا جاتا ہے۔"

④ مدینہ منورہ میں عرصہ دراز سے مقیم ایک عالم دین لکھتے ہیں:

"یہ بات غلط ہے کہ سعودیہ میں حکومت کی طرف سے خطبہ ملتا ہے۔ میں نے خود کئی مرتبہ مدینہ میں ائیر پورٹ روڈ پر خطبہ دیا ہے اور خود لکھ کر لے جاتا تھا، کبھی کہیں سے کوئی ایسی پابندی نہیں تھی۔"

⑤ ایک اور خطیب لکھتے ہیں:

"یہ خبر بالکل بے بنیاد ہے، خطبہ جمعہ ہو یا دوسرے پروگرام اکثر مشائخ عنوان کے متعلق نوٹس تیار کر کے سامنے رکھتے ہیں، بعض مشائخ موبائل سے پڑھ کر بھی خطبہ دیتے ہیں۔ الحمدللہ میں کئی سالوں سے جمعہ کا خطبہ دیتا ہوں، نہ کوئی سرکاری ورقہ ہوتا ہے نہ اپنی طرف سے کوئی ورقہ۔ حکومت کو جب ضرورت ہو تو وہ صرف ایک پیغام چھوڑ دیتے ہیں کہ اس عنوان پر بولا جائے جیسے گذشتہ ۱۵ ستمبر کا جمعہ تقریباً پوری مملکت میں ایک ہی عنوان پر دیا گیا۔"

⑥ ایک اور عالم دین اپنا مشاہدہ یوں بیان کرتے ہیں:

"حرمین شریفین، مسجد قبلتین، مسجد وطنیہ بریدہ، ان سب کے بارے میں ذاتی طور پر جانتا ہوں کہ سب خود لکھ کر لاتے ہیں، حکومت کی جانب سے لکھا ہوا نہیں ملتا۔ بلکہ لکھا ہوا ہونا بھی ضروری نہیں ہے؛ کیونکہ مسجد قبلتین کے ایک خطیب عبدالرزاق البدر لکھ کر لاتے ہی نہیں، زبانی خطبہ دیتے ہیں۔ ایسے مسجد عائشہ راجحی ،مکہ میں ایک بار جمعہ ادا کرنے کا موقع ملا تو انہوں نے بھی زبانی خطبہ دیا تھا، لکھا ہوا تھا ہی نہیں۔"

یہ سب ان لوگوں کے تجربات و مشاہدات ہیں، جو عرصہ دراز سے سعودی عرب میں دعوتی میدان میں مصروفِ عمل ہیں، اسی طرح وقتاً فوقتاً سعودی عرب آنے والے پاکستانی اہل علم اور مشائخ کا بھی یہی تجربہ تھا کہ ہم اُردو کمیونٹی میں تقاریر اور خطباتِ جمعہ میں اپنی مرضی کے موضوعات اور مسائل بیان کرتے ہیں، حکومتی تقریر والی بات کا کوئی وجود نہیں ہے۔

اس معاملے کو دیکھنے کا ایک اور انداز

سعودی عرب میں سوشل میڈیا وغیرہ کا استعمال پاکستان کی نسبت بہت زیادہ ہے۔ یہاں تقریر و تحریر کی ترویج و تشہیر کا نظام بھی پاکستان سے کافی بہتر ہے۔ سعودی عرب میں درجنوں علما ہیں، جن کے خطبات لائیو نشر ہوتے ہیں۔ ان کو سن لیں تو ہر ایک کا اپنا مضمون اور بیان کرنے کا اپنا انداز ہوگا۔ اگر تقریر حکومت کی طرف سے ہو، تو الگ الگ خطبے ہونے کا کیا مطلب؟

اسی طرح حرمین شریفین یعنی مسجدِ حرام اور مسجدِ نبوی میں ہونے والے ایک ہی جمعے کے دو خطبات کو آپس میں ملا کر دیکھ لیں تو ایک دوسرے سے مختلف ہوں گے۔ ہر خطیب کی صلاحیت، انداز، اُتار چڑھاؤ، فصاحت و بلاغت اور دلچسپیاں اُن کے خطبات سے واضح ہوں گی۔ اگر حکومت کی طرف سے لکھی لکھائی تقاریر ہوتی ہوں تو یہ اختلاف کیوں؟

⑷ ایک باخبر صاحب لکھتے ہیں:

"یہ جو سعودی عرب کے بارے میں مشہور ہے کہ یہاں خطبہ گورنمنٹ کی طرف سے لکھا ہوا ملتا ہے یہ بالکل غلط ہے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ مختلف مساجد میں مختلف موضوعات بیان کیے جاتے ہیں حتیٰ کہ حرمین شریفین کے اندر مکہ اور مدینہ میں ایک موضوع نہیں ہوتا۔ مسجد قبا اور دیگر مساجد میں خطبہ جمعہ کے عناوین مختلف ہوتے ہیں اور خطیب خود لکھ کے لاتا ہے۔ دراصل یہاں خطیب حضرات لکھ کر خطبہ دیتے ہیں۔ چند خطیب ایسے ہیں جو لکھے بغیر خطبہ دیتے ہیں۔ میں نے کئی مساجد میں خطبہ جمعہ کا ترجمہ جمعہ کے بعد کیا ہے تو بعض مرتبہ خطیب وہ لکھا ہوا جمعہ پکڑا دیتا ہے تاکہ ترجمہ میں مدد لی جاسکے اور وہ خطبہ اس کے اپنے ہاتھ کا لکھا ہوتا ہے۔"

بلکہ آپ کو کئی ایسے خطبات اور تقاریر بھی ملیں گی، کہ جن کی وجہ سے خطبا کو پابندی کا سامنا کرنا پڑا، اگر خطبہ حکومت کی طرف سے ہو تو پھر حکومت اپنا ہی خطبہ پڑھنے والے پر پابندی کیوں لگائے گی؟

حکومت اپنی ہی تیار کردہ تقریر پر کس منطق سے پابندی لگائے گی؟

غلط فہمی کا سبب کیا ہے؟

جب صورت حال یہ ہے تو پھر سعودی عرب کے متعلق یہ غلط فہمی کیوں پھیلی کہ یہاں حکومت کی طرف سے لکھی لکھائی تقریر کی جاتی ہے؟

میں جب سعودی عرب میں آیا تو ایک حد تک میرے ذہن میں بھی یہ تاثر موجود تھا۔ اور اس تاثر کو مزید تقویت اس وقت ملی، جب مسجد نبوی و مسجد حرام میں خطبا کو ہاتھ میں ورقے تھام کر تقریریں کرتے دیکھا۔ مدینہ یونیورسٹی اور اردگرد کی مساجد میں بھی یہی رواج نظر آیا۔ عموماً خطبا ہاتھ میں ورقہ تھام کر تقریر کیا کرتے تھے، بلکہ بعض مساجد میں خطبا تو اس قدر ورقے کے عادی تھے کہ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ کہنے سے پہلے ورقہ کھول لیتے، اور وآخر دعوانا... کہنے کے بعد ورقے سے نظر ہٹاتے۔ بڑی حیرانی ہوتی کہ اُنہیں السلام علیکم بھی ورقے کے بغیر کہنا نہیں آتا۔

بلکہ ہمیں ایک دفعہ ایک اُستاد محترم نے لطیفہ بھی سنایا کہ ایک خطیب جمعے کی تیاری کر کے ورقہ جیکٹ میں

ڈال کر لے گیا، مسجد میں جا کر وضو کرنے کے لیے جب جیکٹ اُتاری تو ایک شرارتی نے چپکے سے ورقہ نکال لیا۔ خطیب صاحب ورقہ پر اعتماد کرتے ہوئے منبر پر چڑھ گئے، خطبہ مسنونہ پڑھتے ہوئے جب ورقہ کے لیے جیب میں ہاتھ ڈالا تو پیشانی سے پسینہ اُترنے لگا، جیسے تیسے کر کے خطبہ ختم کیا۔ اگلی مرتبہ پھر اسی شرارتی کے ہتھے چڑھ گئے۔ تیسری مرتبہ اُنہوں اپنے خطبہ کی دو کاپیاں کروالیں۔ شرارتی شرارت کر کے خطیب صاحب کی بوکھلاہٹ اور گھبراہٹ سے محظوظ ہونے کے لیے منتظر بیٹھا تھا، کہ خطیب صاحب نے فاتحانہ انداز میں دوسری جیب سے ورقہ نکالا، اور دھواں دھار خطبہ جمعہ ارشاد فرمایا۔

مقصد یہ ہے کہ یہاں خطبہ لکھ کر لانے کا رواج ہے، گو فی البدیہ خطبہ یا تقریر کرنے والے اہل علم اور خطباء بھی موجود ہیں۔ اور یہ صرف خطبہ ہی نہیں، یہاں بہت ساری تقاریب میں شرکت کی۔ شاہ، وزیر مشیر اور مدیر الجامعہ وغیرہ سب لوگ جو بھی کچھ کہنا چاہتے ہیں، عموماً ایک ورقے پر لکھ کر (یا اپنے سیکرٹری سے لکھوا کر) ساتھ لائے ہوتے ہیں۔ اور یہ رواج صرف سعودیہ میں ہی نہیں، بلکہ اور کئی جگہ پر اس کی مثالیں موجود ہیں۔

جب ہمارے ہاں عام طور پر خطبا کا انداز ورقہ دیکھ کر تقریر پڑھنے کا نہیں ہوتا، تو سعودیہ کے ورقے والے خطباء دیکھ کر ہماری نظر میں پہلا تصور یہی آتا ہے کہ شاید یہ حکومت کی بھیجی ہوئی تقریر سنائی جا رہی ہے۔ حرمین میں ورقے والی تقریر پڑھنے کی ایک مجبوری یہ بھی ہے کہ یہاں کا خطبہ جمعہ ساتھ ساتھ مختلف زبانوں میں ترجمہ بھی ہوتا ہے، جن لوگوں نے ترجمہ کرنا ہوتا ہے، خطیب صاحب پہلے سے خطبہ لکھ کر مترجمین تک پہنچا دیتے ہیں، تاکہ ساتھ ساتھ ترجمہ کرنے میں زیادہ مشکل اور پریشانی نہ ہو۔

سعودی عرب میں لکھی ہوئی تقریر نہیں ہوتی لیکن:

سعودی عرب ایک اسلام پسند ملک ہے، اور اس میں کتاب وسنت اور اس کے احکامات کو باقاعدہ طور پر حکومتی سطح پر پھیلایا جاتا تھا۔ جس طرح ہمارے ہاں داخلہ، خارجہ اور مالی وزارتیں ہیں، تو یہاں اوقاف اور اسلامی اُمور باقاعدہ ایک باصلاحیت وزیر کے تحت ہوتے ہیں۔ اس لیے اُنہوں نے لوگوں کو اپنا دیندار ہونا ثابت کیا ہے، اور لوگوں کے دینی جذبات کی تسکین کا بھرپور انتظام بھی کر رکھا ہے، اس لیے لوگ دینی معاملات میں بھی ان پر بھرپور اعتماد کرتے ہیں۔ تمام مساجد، دینی مدارس وجامعات وغیرہ براہِ راست حکومت کی کفالت میں ہیں، اور حکومت اس پر بھاری خرچ کرتی ہے۔ یہاں خطیب یا امام مسجد ہونا تو بڑی بات، خالی مؤذن کے لیے بھی مناسب سہولیات موجود ہیں۔

سعودی عرب میں دینی معاملات میں پابندیاں لگانے، اُٹھانے اور نگرانی کرنے والے وقت کے بڑے بڑے علما کرام تھے، جو مختلف شرعی وسماجی مصالح کے تحت ایسا کیا کرتے۔ آج تک یہاں مساجد ومدارس کو جن باتوں کا پابند کیا جاتا ہے، عموماً لوگ اس پابندی کا احترام کرتے ہیں۔ اب نظام میں کچھ تبدیلی کی وجہ سے بعض لوگ

بے چین بھی ہیں، تو اب بھی اکثریت ایسے لوگوں کی ہی ہے، جو حکومتی پالیسیوں پر آنکھ بند کر کے اعتماد کرنے والے ہیں۔ یہاں خطباو واعظین کو لکھی لکھائی تقریریں تو نہیں ملتیں، لیکن حکومتِ وقت کی مخالفت کی کوئی گنجائش نہیں ہے، اور اسے فتنہ پروری اور نا سمجھی سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ کئی لوگ جنہوں نے منبر و محراب اور قلم ولسان کو بے دریغ استعمال کیا، آج پابندیوں کا شکار ہیں۔

'ریاستِ مدینہ' کی درست سمت؟

حکومت پاکستان 'ریاست مدینہ' کا نام لیتی ہے تو یہ دعویٰ قابل قدر ہے اور اس کی تعریف کی جانی چاہیے، تاہم اس سلسلے میں عملی اقدام بھی کرنے ضروری ہیں، اس عظیم مقصد کے لئے ایک مستقل کمیشن بھی بنانا چاہیے۔ حکومت پاکستان کو سعودی عرب میں نگرانی اور سختی پر توجہ کی بجائے، حکومت کی طرف سے دینی طبقے کو دی جانے والی سہولیات پر بھی غور کرنا چاہیے۔ مدارس و مساجد کو سرکاری سہولیات اور بجٹ میں حصہ دیا جائے۔ شیخ الحدیث، اساتذہ کرام، خطیب، امام اور مؤذن وغیرہ کو باقاعدہ گریڈ سسٹم کے تحت تنخواہ دی جائے، اور طلبہ کی دینی تعلیم کو منظور کیا جائے تو شاید پابندی لگاتے وقت پاکستان کا دینی طبقہ بھی آپ کا حمایتی ہو گا۔

یہ اسلامی جمہوریہ پاکستان ہے، ہمارا دعویٰ اسے ریاست مدینہ بنانے کا ہے، لیکن ہر آنے والے دن میں یہاں اسلام پسندوں پر ہی سختیاں ہو رہی ہیں۔ جبکہ پارلیمنٹ جیسا حکومتی منبر ہو یا پھر میڈیا جیسا ایک عام فورم، ہر جگہ پر پابندی اور قواعد و ضوابط نام کی کوئی چیز نظر نہیں آتی۔ کون سی اسلام مخالف سرگرمی ہے جو اس 'اسلامی جمہوریہ پاکستان' میں نہیں ہوتی؟ اس پر پابندی اور نگرانی کس نے کرنی ہے؟

جو حکومت اپنے حکومتی سیٹ اپ میں موجود چند سو افراد کے لیے دینی رہنمائی کا خاطر خواہ بندوبست نہیں کر سکتی، وہ سارے پاکستان کو اپنی تقریر کا پابند کیسے بنائے گی؟ تخت حکومت پر براجمان یا اس کے اُمیدواران کی آئے دن کی تقریریں ان کے دینی مزاج و قابلیت کا مذاق اڑاتی ہوئی نظر آتی ہیں۔ درجنوں تقریروں اور بیانات میں قرآن اور سنت نام کی کوئی چیز نہیں ہوتی۔ اگر ہمت کر لیں، تو کوئی سورۂ اخلاص میں الجھ جاتا ہے، کسی کو خاتم النبیین کے ہجے پھنس جاتے ہیں۔ یہ بسم اللہ، کلمہ شہادت اور سورہ فاتحہ پڑھتے ہیں، تو یوں محسوس ہوتا ہے، جیسے عرب ممالک میں کوئی اجنبی عربی بولنے پر مجبور کر دیا گیا ہے۔

جس ملک کی پارلیمنٹ میں اسرائیل کے حق میں تقریریں ہوں، اُس ملک کی مساجد و مدارس میں پابندی کی بات کرنے والوں کو نئے پرانے پاکستان کے چکر میں اُلجھنے کی بجائے اپنے لیے نیا ضمیر اور دماغ تلاش کرنے کی ضرورت ہے، جو اسلام کے نام پر معرضِ وجود میں آنے والے پاکستان اور ریاست مدینہ منورہ کے لیے سوچنے کی صلاحیت رکھتا ہو۔

الحاد کے معاشرے پر اثرات

وٹس ایپ گروپ سے وابستہ اہل علم ودانش کی تربیتی ملاقات

عبدالرحمٰن عزیز[1]

مجلہ 'محدث' کے ذریعے علم وتحقیق اور 'محدث میڈیا' کے ذریعے انٹرنیٹ پر برسہابرس سے تحقیقی وابلاغی خدمات انجام دینے والے ادارے مجلس التحقیق الاسلامی Islamic Research Council نے فروری ۲۰۱۶ء میں اپنے وٹس ایپ گروپ کے ذریعے عصری مسائل میں کتاب وسنت کی رہنمائی کا مبارک سلسلہ شروع کیا تھا۔ اس تین سالہ عرصے میں ہزاروں موضوعات پر اہل علم ودانش نے تین لاکھ پوسٹوں میں بیش قیمت دلائل کے ذریعے مکالمہ علمیہ کی شاندار روایت کو قائم کیا۔ شرکاء کی دلچسپی، موضوعات کے تنوع واہمیت اور جاندار دلائل کے اعتبار سے یہ مجموعہ علمائے کرام اور اہل فکر ودانش میں ممتاز حیثیت اختیار کر گیا۔

مجموعہ ہذا کے اہل علم وفکر کی ملاقات اور ممتاز علمائے کرام سے رہنمائی کے لئے ۳؍ فروری ۲۰۱۹ء بروز اتوار، مجلس التحقیق الاسلامی اور الحکمہ انٹرنیشنل کے زیر اہتمام، جامعہ لاہور الاسلامیہ (البیت العتیق) میں تربیتی ملاقات کا انعقاد کیا گیا، جس کی رپورٹ ہدیۂ قارئین ہے۔ ح۔م

سوشل میڈیا نے دنیا کو 'گلوبل ویلیج' بنا دیا ہے، اس سے انسانوں کے باہمی رابطے اور تعلقات کو نئی جہت ملی ہے۔ اب ایک شخص اپنے گھر میں بیٹھ کر دنیا بھر کے لاکھوں، بلکہ کروڑہا لوگوں سے بیک وقت مخاطب ہوتا ہے، کسی بھی مسئلہ میں بغیر کسی رکاوٹ، اپنا نقطۂ نظر پیش کر سکتا ہے، ہزاروں لوگوں کے افکار ونظریات سے واقفیت حاصل کر سکتا اوران پر تنقید اور تبصرہ بھی کر سکتا ہے۔ پہلے اکثر میڈیا گروپس کسی نہ کسی سیاسی ومذہبی جماعت سے وابستگی رکھتے تھے، یا کم از کم اپنے مفادات کے پیش نظر کچھ اُصول رکھتے تھے، اور وہی بات شائع کرتے تھے جو ان کے نظریات ومفادات سے ہم آہنگ ہوتی۔ دوسرے لوگ اپنی بات کہنے، مافی الضمیر کو بیان کرنے اور ابلاغ کی استعداد سے محروم تھے۔ سوشل میڈیا کے آنے پر ہر شخص آزاد ہے اور کسی خاص انتظام یا زرِ کثیر خرچ کیے بغیر وہ فیس بک، وٹس اپ یا ویب پر اپنا گروپ بنا سکتا ہے۔ اہل علم کو بھی باہمی تبادلہ خیال کے لئے ایک

[1] مدرّس جامعہ لاہور الاسلامیہ (بیت العتیق کیمپس)، خیابان جناح، لاہور

جگہ پر طے شدہ وقت پر جمع ہونا پڑتا تھا، اب سوشل میڈیا کی بدولت ہر صاحب علم، ہمہ وقتی مکالمہ علمیہ کر سکتا ہے، اپنے گھر بیٹھے اپنی کتب اور دلائل کی مدد سے اپنے موقف کو وضاحت کے ساتھ پیش کر سکتا ہے۔

سوشل میڈیا تک ہر شخص کی رسائی اور سب کو کہنے اور لکھنے کی آزادی، اور ہر وقت مکالمہ و مباحثہ کے امکان نے بہت سے مسائل بھی پیدا کئے ہیں، تاہم بہت سارے گروپس بڑا شاندار کام کر رہے ہیں اور اس طرح تعصّبات سے بالاتر ایک آزاد فضا بھی پیدا ہوئی ہے۔ بعض گروپس علماے کرام سے سوال وجواب کے لیے خاص ہیں، جن میں عوام الناس اپنے من پسند علما سے اپنی ضرورت کے سوالات پوچھتے، اور ان سے رہنمائی لیتے ہیں، اور بعض گروپس علماے کرام کے باہمی رابطے کے لیے ہیں، اہل علم ہی کو ان کا رکن بنایا جاتا ہے۔ ان میں کبار وصغار علما جدید مسائل پر دلائل اور آرا کا تبادلہ کرتے ہیں۔

اہل حدیث علماے کرام اور طلبۂ علم کے مابین تین وٹس اپ گروپس نمایاں مقام اور مقبولیت کے حامل ہیں: علماے اہل حدیث، مجلس التحقیق الاسلامی اور لجنۃ الدعوۃ السلفیہ۔ ان گروپوں کی باضابطہ ملاقاتوں کے علاوہ ان میں ہونے والی بعض مفید مباحث کتابی شکل میں بھی چھپ چکی ہیں۔

مجلس التحقیق الاسلامی کے نام سے قائم وٹس ایپ گروپ کا تعارف کرواتے ہوئے اس کے مرکزی ایڈمن ڈاکٹر حافظ حمزہ مدنی حفظہ اللہ (مدیر کلیۃ القرآن، جامعہ لاہور الاسلامیہ) لکھتے ہیں:

"یہ وٹس ایپ گروپ ۳ سال قبل ۹/ فروری ۲۰۱۶ء تشکیل دیا گیا تھا۔ الحمد للہ اس گروپ کے ذریعے ہم نے منہج اہل حدیث کے حوالے سے اپنے متوازن زاویۂ فکر کو جماعتِ اہل حدیث میں ایک مشن اور کام سمجھتے ہوئے منتقل کرنا شروع کیا۔ یہی کام ہم ۵۰ سال سے زائد عرصہ سے، لاہور میں ۱۵ عمارتوں میں قائم بیسیوں علمی، تحقیقی، دعوتی اور رفاہی اداروں کے ذریعے سرانجام دے رہے ہیں۔ جن میں مجلس التحقیق الاسلامی کے تحت متعدد علمی مجلّات (مجلّہ محدث، مجلّہ رشد، مجلّہ نظریات، مجلّہ المسلمات)، تحقیقی ویب سائٹس (کتاب وسنت ڈاٹ کام، محدث فورم، محدث اردو فتویٰ، حدیث وشروح)، جامعہ لاہور الاسلامیہ (اور اس کی متعدد برانچیں: رحمانیہ، مرکز البیت العتیق، مرکز التوحید، مرکز النور)، دعوتی تعلیمی نیٹ ورک کے دسیوں 'اسلامک انسٹی ٹیوٹس'، متعدد اسلامی سکولز، کئی جدید تعلیمی کالجز (LISS اور CFE وغیرہ) اور خدمتِ خلق کا وسیع نیٹ ورک بنام 'اسلامک ویلفیئر ٹرسٹ' قابل ذکر ہیں۔

اس مجموعہ میں علماے گرامی کے روزانہ تبادلۂ خیال کے ذریعے بے شمار علمی موضوعات پر گفتگو کی جاتی ہے۔ دوستوں کی روزانہ کی باہمی علمی ملاقات سے ہم سب ایک خاندان کی طرح آپس میں مانوس ہو چکے ہیں۔ ان حالات میں ضروری محسوس ہوا کہ سب مل بیٹھ کر ایک دوسرے سے مکمل واقفیت

بھی حاصل کریں اور ان اداروں سے بھی، جن کی وساطت سے یہ پلیٹ فارم سب کو میسر آیا۔"

۳؍فروری ۲۰۱۹ء کو مجلس التحقیق الاسلامی نے اپنے رکن علما کا نمائندہ اجلاس بلایا، جو کئی شہروں سے ایک روزہ ملاقات کے لئے جمع ہوئے۔ کئی ایک مشاورتی اجلاسوں کے بعد اس ملاقات کا لاہور میں ہونا طے پایا۔ سیکڑوں علما کی میزبانی کا شرف جامعہ لاہور الاسلامیہ (مرکز بیت العتیق) اور الحکمۃ انٹرنیشنل، لاہور نے مشترکہ طور پر حاصل کیا۔

دور دراز سے تعلق رکھنے والے معزز علماے کرام رات ہی کو جامعہ میں پہنچنا شروع ہو گئے تھے: آزاد کشمیر سے مولانا علی گیلانی، سندھ سے مولانا عبدالرحمٰن ثاقب، بلوچستان سے شیخ عبدالمجید کیچگی، خیبر پختونخواہ سے شیخ عبدالقہار، اسلام آباد سے مولانا عبدالقدوس سلفی، ڈاکٹر سمیع اللہ زبیری (علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد)، جناب عبدالجلیل (مکتب الدعوۃ، اسلام آباد) اور خانیوال سے ڈاکٹر مسعود عبدالرشید اظہر، سیالکوٹ سے مولانا عبدالرزاق گھمن اور مولانا جاوید اقبال سیالکوٹی، گوجرانوالہ سے حافظ عابد الٰہی ظہیر، حافظ ارشد محمود، پروفیسر محمد صارم، مولانا محمد رفیق طاہر، شیخ ابوانس قیصر طیبی، فیصل آباد سے شیخ نجیب اللہ طارق اور مولانا عبدالمنان راسخ تشریف لائے۔ پیغام ٹی وی، پاکستان کے ذمہ داران حافظ محمد ندیم، حافظ یوسف سراج، جناب عاصم حفیظ، جناب عبدالباسط بلوچ، لاہور سے حافظ ہشام الٰہی ظہیر، جناب ابوبکر قدوسی، مولانا عمر فاروق قدوسی، مولانا شفیق الرحمٰن فرخ، قاری نعمان مختار لکھوی، مولانا عبدالماجد سلفی، ڈاکٹر عبدالغفار، مولانا زکریا زاہد وغیرہ اور دیگر بہت سارے مشائخ نے شرکت کی۔

محترم مولانا عبدالغفار روپڑی حفظہ اللہ اور محترم میاں محمد جمیل حفظہ اللہ اہم دینی مصروفیات کی وجہ سے تشریف نہ لا سکے، علاوہ ازیں مولانا حافظ محمد شریف، مولانا مبشر احمد ربانی، مولانا حافظ عبدالستار الحماد اور مولانا ڈاکٹر عبدالرحمٰن یوسف حفظہم اللہ نے ناسازیٔ طبع کے سبب فون پر معذرت کی، ان حضرات علماے کرام کے لئے نمازِ ظہر کے فوراً بعد خصوصی دعا کی گئی۔

۹ بجے صبح پر تکلف ناشتہ کا اہتمام کیا گیا۔ دسترخوان پر ہی تعارفی نشست بھی ہو گئی، بہت سارے احباب جو گروپ میں ہی ایک دوسرے سے متعارف تھے، پہلی بار ایک دوسرے کو اپنے سامنے دیکھ رہے تھے۔ اور بعض دوستوں کی سالوں بعد ملاقات ہوئی تھی، اس لیے سب کی مسرت دیدنی تھی۔

تعارفی نشست کے بعد پہلی نشست کا عنوان: 'اِلحاد کے سیاسی اور معاشرتی اثرات' تھا، جس کی صدارت مولانا ڈاکٹر حافظ عبدالرحمٰن مدنی حفظہ اللہ نے فرمائی۔ گیارہ بجے اجلاس کی باقاعدہ کاروائی کا آغاز ہوا، نقابت کے

فرائض محترم ڈاکٹر جواد حیدر نے ادا کئے اور اجلاس کے مقاصد پر روشنی ڈالی۔ تلاوتِ قرآن کی سعادت قاری عبدالباسط منشاوی نے حاصل کی، ۸ مقررین کو طے شدہ عنوان کے تحت خطاب کی دعوت دی گئی، دیکھتے ہی دیکھتے جامعہ کی مسجد کا وسیع ہال بھر گیا۔

پہلا خطاب: 'الحادی فکر کے دنیا پر معاشرتی اثرات' از مولانا عبدالحنان کیلانی

آپ کے خطاب کا خلاصہ یہ ہے کہ الحاد شروع سے چلا آرہا ہے، جیسا کہ قرآنِ مجید میں ہے کہ لوگوں کا نعرہ یہ تھا: ﴿وَمَا يُهْلِكُنَآ اِلَّا الدَّهْرُ﴾ (الجاثیۃ:۲۴) "ہماری موت کا سبب وقت گزرنا ہے۔" مگر آج کا الحاد بہت خطرناک ہے کیونکہ موجودہ الحاد ایک نظام اور سسٹم کی صورت اختیار کر چکا ہے۔ آج کی معاشیات، اقتصادیات، نظامِ تعلیم اور سیاسی اداروں کی بنیاد اسی الحادِ جدید پر اٹھائی گئی ہے۔ موجودہ الحاد کا آغاز ڈارون سے ہوا، اور اس کا نظریۂ ارتقا اس کی اساس ہے۔ قدیم ملحدین بھی اللہ تعالیٰ کا انکار کیا کرتے تھے، مگر انسانی نفسیات اور روحانیات میں ایسے سوالات اُٹھتے تھے جو انسان کو مجبور کر دیتے ہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کو مانے۔ قدیم ملحدین کے پاس اُن کا کوئی جواب نہ تھا۔ ڈارون وہ پہلا شخص تھا جس نے کہا کہ میں ان تمام سوالوں کے جواب دیتا اور انھیں حل کرتا ہوں، جو خدا کو ماننے پر مجبور کرتے ہوں۔ اس نے کہا کہ انسان اور یہ کائنات کسی خالق کی بنائی ہوئی نہیں بلکہ ارتقا کا نتیجہ ہے۔ یعنی انسان اور کائنات از خود بغیر کسی خالق کے اپنی اشکال بدلتے بدلتے موجودہ صورت میں پہنچے ہیں۔ جب خدا نہیں تو مذہب بھی نہیں!!

جب ہم معاشرے کی بات کرتے ہیں تو اس سے مراد اقدار ہوتی ہیں، ہر معاشرہ مثبت اقدار جیسے حیا، بڑوں کے احترام وغیرہ پر پروان چڑھتا ہے۔ ڈارون نے کہا کہ مذہب اور اقدار کو انسان نے اپنی ضروریات کے لیے ایجاد کیا ہے۔ نظریۂ ارتقا نے آج بہت گہرے معاشرتی اثرات چھوڑے ہیں اور اقدار کو تبدیل کر دیا ہے۔ اس کی وجہ سے یہ تاثر پیدا ہوا کہ اصل چیز تغیر اور تبدیلی ہے، چنانچہ اقدار میں بھی تبدیلی اور تغیر پیدا ہوتا ہے۔ نظریہ ارتقا سے یہ بھی نتیجہ اخذ کیا گیا کہ ہر بعد میں آنے والا پہلے سے بہتر ہے کیونکہ ارتقا میں ایسا ہی ہوا ہے کہ بعد والا پہلے سے اور متاخر متقدم سے بہتر ہے۔ لہٰذا ہم اپنے اسلاف اور بزرگوں سے بہتر ہیں۔ ہر جدید قدیم سے بہتر ہے۔ بڑوں اور بزرگوں کا احترام بے معنی چیز ہے۔ نظریہ ارتقا سے یہ نتیجہ بھی اخذ کیا گیا کہ جنس انسان کا حیاتیاتی تقاضا ہے اور اس کی تکمیل و تسکین کا حیا اور بے حیائی سے کوئی تعلق نہیں۔ نظریہ ارتقا کو ہی بنائے استدلال ٹھہراتے ہوئے مارکس نے مذہب کو افیون اور فرائیڈ نے سماج کا ڈھکوسلا قرار دیا۔ مختصر یہ الحادِ جدید کا منظم آغاز نظریۂ ارتقا سے ہوا، اور اسی نے معاشرے پر نا قابل تلافی نقصانات مرتب کئے۔

دینی علوم کے فاضل جب موجودہ الحاد سے شناسائی نہیں رکھتے تو اس کے اعتراضات کا جواب کیا دیں گے؟ ہم دینی ماحول میں بیٹھ کر یہ سمجھتے ہیں کہ ہم الحاد سے محفوظ ہیں، مگر ہماری نسلیں تو محفوظ نہیں۔ لہٰذا پہلے ہمیں اسے سمجھنے اور پھر اس کا حل کرنے کی کوشش کرنی چاہیے۔

دوسرا خطاب: 'فکر الحاد اور اس کے اُصول و مبادی' از حافظ فہد اللہ مراد

اُنہوں نے فرمایا کہ فکر الحاد کے اُصول سے مراد یہ ہے کہ موجودہ الحاد کن اُصولوں پر کھڑا ہے۔ سب سے پہلے ہمیں یہ ادراک کر لینا چاہئے کہ ہم آج مغلوب ہیں۔ ہماری یہ مغلوبیت اور زوال اس وقت شروع ہوا جب خلافت کا ادارہ ختم ہو گیا، اور اسے ابھی سو سال نہیں ہوئے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ الحاد کا تدارک صرف علما کر سکتے ہیں، کیونکہ انہی کے پاس علم وحی کی روشنی ہے۔ صرف توجہ کی ضرورت ہے، اگر یہ متوجہ ہو گئے تو مجھے پورا یقین ہے کہ الحاد کے اسی طرح پرخچے اُڑا دیں گے، جس طرح امام ابن تیمیہ نے یونانی فلسفہ کی دھجیاں اُڑا دی تھیں۔ موجودہ الحادی تہذیب کے متعلق مفکرِ اسلام علامہ محمد اقبال نے کہا تھا:

دیارِ مغرب کے رہنے والو خدا کی بستی دکاں نہیں ہے
کھرا جسے تم سمجھ رہے ہو وہ اب زرِ کم عیار ہو گا
تمہاری تہذیب اپنے خنجر سے آپ ہی خودکشی کرے گی
جو شاخِ نازک پہ آشیانہ بنے گا، ناپائیدار ہو گا

کسی بھی فکر اور تہذیب کو سمجھنے کے لیے تین سوالوں پر غور کرنا چاہیے:

۱. اس تہذیب کا نظریۂ فرد کیا ہے؟
۲. اس کا تصورِ کائنات کیا ہے؟
۳. اس کا تصورِ علم کیا ہے؟

رومی، یونانی اور دوسری تمام تہذیبیں جو مذاہب سے تعلق رکھتی ہیں، مذکورہ بالا تصورات میں متفق ہیں کہ کائنات اللہ تعالیٰ کی تخلیق ہے، اور انسان اس کائنات میں ایک دوسری زندگی کی تیاری کے لیے آیا ہے۔ اور علم کا منبع وحی الٰہی ہے۔ انہی تصورات کو عقیدہ کہا جاتا ہے۔ یعنی تمام تہذیبیں بنیادی عقائد میں تقریباً متفق ہیں، جزئیات اور مصداقات میں اختلاف ہے۔

موجودہ مغرب جس نظریہ پر یقین رکھتا ہے، وہ سابقہ تمام افکار اور تہذیبوں کے برعکس ہے۔ اس نے سابقہ تمام تصورات کو اُلٹ دیا اور نئے تصورات پیدا کئے ہیں۔ مثلاً اسلام کہتا ہے کہ کائنات ایک خالق نے

محدود مدت کے لیے قائم کی ہے، اس زندگی کے بعد انسان کی ایک دوسری زندگی ہے، جس میں یہاں پر کئے گئے اعمال کا حساب ہو گا، اور اچھے اعمال کے بدلے میں جنت اور برے اعمال کے جزا کے طور پر جہنم میں ڈال دیا جائے گا۔ الحاد کہتا ہے کہ کائنات کو کسی خالق نے وجود نہیں بخشا، بلکہ وہ ارتقا کے نتیجے میں خود بخود وجود میں آئی ہے۔ انسان نہ کہیں سے آیا ہے، اور نہ اسے مر کر کہیں جانا ہے۔ آخرت اور جنت و جہنم کا کوئی تصور نہیں ہے۔

اسلام کہتا ہے کہ علم کا ماخذ اللہ تعالیٰ ہے، وحی الٰہی کے مطابق ہمیں اپنے تمام مسائل حل کرنا ہیں جبکہ الحاد کہتا ہے کہ علم باہر سے نہیں آیا، ہمارے اندر سے پیدا ہوتا ہے، یعنی ہمیں باہر سے کہیں سے رہنمائی لینے کی ضرورت نہیں ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ انسان کو یہ فکر کرنے کی ضرورت نہیں کہ وہ کہاں سے آیا ہے، اور کہاں جانا ہے؟ اپنا خالق اور حاکم اور رہنما انسان خود ہے اور وہی علم کا اصل سرچشمہ اور ماخذ بھی ہے۔

علم کسی خاص ذات یا اللہ تعالیٰ سے نہیں، انسانی مشاہدے سے حاصل ہوتا ہے، اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ جو چیز مشاہدہ میں نہیں آتی ہے وہ دراصل موجود ہی نہیں۔ اس اصول پر انہوں نے اللہ تعالیٰ، وحی، عذاب قبر، آخرت اور جنت و جہنم کا بھی انکار کر دیا، کیونکہ ان کا مشاہدہ اور تجربہ نہیں ہو سکتا۔ اس طرح اسلام کے تمام بنیادی عقائد مغرب اور الحاد کے تصورِ علم میں موجود ہی نہیں ہیں۔ چونکہ اس کے تصورات میں آخرت اور جنت و جہنم کا وجود نہیں ہے، اس لیے وہ سمجھتا ہے کہ اس کے پاس صرف ایک چانس ہے، اور وہ بس یہ دنیا کی زندگی ہے، لہٰذا مجھے اسی زندگی میں آسائشیں جمع کر کے اسے جنت بنانا ہے۔ ساری ٹیکنالوجی اسی فکر کا نتیجہ ہے کہ دنیا کو ہی جنت بنالو اور اس طرح موت کو شکست دینے کا پروگرام بنایا جارہا ہے۔

اس میں شک نہیں کہ دنیا میں راحت و آرام اور آسائشیں حاصل کرنے کے لیے دولت کی ضرورت ہے۔ لہٰذا الحادی تہذیب میں عزت و ذلت اور کامیابی کا معیار سرمایہ قرار پایا۔

آج کل بچے کو ڈائریکٹ الحاد یا خدا کا انکار نہیں سکھایا جاتا، بلکہ میڈیا اور تعلیمی اداروں کے ذریعے اسے یہ سکھایا جاتا ہے کہ سرمایہ ہی کامیابی کا معیار اور معاشرتی قدر ہے۔ آج ہر شخص کو اسی بات کا قائل کیا جارہا ہے کہ "سرمایہ حاصل کرو۔" اسی کے لیے ساری تگ و دو کی جاتی ہے۔ تعلیمی اداروں نے 'تعلیم برائے انسانیت' نہیں رہنے دی۔ "پڑھو گے، لکھو گے، تو بنو گے نواب" جیسے نعرے دیے جاتے ہیں۔ تعلیمی ادارے اپنے خواب کی تعبیر حاصل کرنا سکھاتے ہیں، وہاں الحاد نہیں پڑھایا جاتا، بلکہ انسان میں دولت کی ہوس پیدا کی جاتی ہے، تو وہ سرمایہ حاصل کرنے کے لیے الحاد کی ہر بات قبول کرتا چلا جاتا ہے۔ چونکہ مذہب اس کی ہوس کی تسکین نہیں کرتا، اس لیے اس کی نظر میں اللہ اور مذہب کی کوئی اہمیت نہیں رہتی۔

ضرورت اس بات کی ہے کہ مسلمان بچے کے دل میں اللہ کی محبت پیدا کی جائے، اور اس کی ضرورت کا احساس بیدار کیا جائے۔

تیسرا خطاب: 'فکری الحاد سے بچاؤ کی عملی تدابیر' از پروفیسر ظفر اقبال حفظہ اللہ

آپ نے فرمایا کہ مختلف تجربات کے بعد جو نتیجہ نکلتا ہے، اسے 'سائنس' کہا جاتا ہے۔ جبکہ نظریہ انسانی سوچ کا نتیجہ ہوتا ہے، سائنس نہیں۔ الحاد جو لاجیکل ڈویلپمنٹ پیش کر رہا ہے، وہ بطورِ سائنس پیش کر رہا ہے۔ جو بات صرف نظریہ اور آئیڈیالوجی ہے، اسے جدید دور میں ردّ کیا جا چکا ہے، حتیٰ کہ اس سے متاثر لوگوں نے بھی اس کو ردّ کر دیا، کیونکہ ان کا تجربہ نہیں ہو سکتا۔

حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ جن نظریات کے سبب الحاد پیدا ہوا ہے، وہ خود تجربہ شدہ اور سائنس نہیں ہیں۔ مجھے یہ کہنے میں باک نہیں کہ موجودہ الحادی نظریات سائنسی اُصولوں پر ثابت ہونے کی بجائے وحی سے انحراف کے نتیجہ میں پیدا ہوئے ہیں۔ اس وجہ سے وہ اللہ سے دور ہو گئے، دین کو ترک کر دیا، اور اپنے خیالات اور معاشرے میں رہنے والے لوگوں کے رسم و رواج کو قانون اور مذہب بنالیا۔ ہندوازم کیا ہے؟ محض رسم و رواج کا نام ہے۔ مغرب میں 'سوشو اکنامک نظریات' دین بن گئے۔ انھوں نے 'سوشل موومنٹ پولیٹکل نظریات' کو اختیار کیا، جمہوریت اسی کا حصہ ہے۔ اور اس کے مظاہر سودی نظام ہے اور آزادی ہے: فحاشی، بے راہ روی کی آزادی۔ یہ ساری چیزیں اللہ کی وحی سے انحراف کی وجہ سے ہیں۔ بذاتِ خود ملحد کون ہوتے ہیں؟ یہ فلسفی اور منطقی نہیں ہوتے، بلکہ ملحدین فلسفے کو بھی ردّ کرتے ہیں، اور منطق کو بھی، اور دین اور وحی کو بھی ردّ کرتے ہیں، وہ اللہ کے رسول اور کتبِ سماویہ بلکہ تمام غیبیات کو ردّ کرتے ہیں۔ وہ صرف وُجودِ انسانی کو مانتے ہیں، اور اسے ہر فکر کی بنیاد سمجھتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ انسان کا وُجود قدیم ترین ہے، اس سے پہلے کچھ بھی نہیں تھا۔ ان کا نظریہ ہے کہ انسان آزاد ہے، وہ جیسے رہنا چاہے رہ سکتا ہے، کپڑے پہنے یا برہنہ رہے۔

تہذیب اور ثقافت میں فرق ہے: ثقافت کلچر کو کہتے ہیں، اور کلچر کا معنیٰ ہے عقائد اور دین، تہذیب کا معنیٰ ہے: تعمیرِ زندگی۔ اسلام ہمارا کلچر ہے، رسول اللہ کی محنت سے اسلام بطور کلچر قرار پایا ہے۔ ہمیں مغرب، چین اور دوسرے ممالک کی تہذیب یعنی سولائزیشن سے فائدہ اُٹھانا ہے۔ کیونکہ وہ ممالک خصوصاً مغرب تہذیب میں بہت آگے چلا گیا ہے۔ مگر وہ ثقافت اور نظریات اسلام کے علاوہ کہیں سے اخذ نہیں کر سکتے۔

فکرِ الحاد کے ردّ کی عملی تدابیر: حدیث پر وارد اعتراضات کا ردّ، منہجِ صحابہ سے تمسک، عربی زبان کا فروغ، مصالح و مفاسد کا فہم، نصوص کی سائنسی تشریحات، حکمرانوں تک رسائی اور ان کی رہنمائی ہے۔

تحریری پیغام: 'الحاد؛ شرک سے بھی بڑا گناہ' از ڈاکٹر حافظ حسن مدنی حفظہ اللہ

مدیر محدث ڈاکٹر حافظ حسن مدنی حفظہ اللہ اپنے برادرِ گرامی ڈاکٹر حافظ حمزہ مدنی حفظہ اللہ سے 'تربیتی ملاقات' کی ترتیب و تنظیم کے بعد، عمرہ کے لئے تشریف لے گئے، سو ان کا خطاب تحریری طور پر موجود تھا:

"الحاد سے مراد انسان اور کائنات کے خالق حقیقی کا انکار کرنا اور اُنہیں نظریۂ ارتقا جیسے گمراہ فلسفوں کا نتیجہ قرار دینا ہے۔ الحاد کا یہ اساسی نظریہ ہمارے ہر سکول میں مسلم بچوں کو بچپن سے پڑھایا جاتا ہے، اس لئے دنیا بھر میں سائنس کے نام پر 'دہریت' سرکار کی سرپرستی میں پھیلتی چلی جاتی ہے۔

اکثر اہل علم بھی شرک کو سب سے بڑا گناہ سمجھتے ہیں، اور توحید کو 'شرک کی مذمت' تک ہی محدود کر دیتے ہیں، کیونکہ ماضی میں انبیائے کرام کے ساتھ مشرکین کی گہری مخاصمت رہی ہے اور شرک کا یہ ظلم عظیم موجودہ دور تک چلا آرہا ہے، حالانکہ شرک سے بھی بڑا گناہ اللہ کا انکار یعنی الحاد و دہریت ہے۔ قرآن نے اس کو کہیں 'خواہش نفس کا شرک' اور کہیں غفلت کا نتیجہ قرار دیا ہے۔

الحاد سے مراد 'انسان و کائنات کے خالق اور یومِ آخرت کا انکار' ہے۔ علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

مَن أنكر المعاد مع قوله بحدوث هذا العالم فقد كفَّرَه الله، فمن أنكره مع قوله بقدم العالم فهو أعظم كفرًا عند الله تعالىٰ[1]

"جو آخرت کے انکار کے ساتھ اس دنیا کے بعد میں وجود میں آنے کا قائل ہے، تو اللہ تعالیٰ نے اس کو کافر قرار دیا ہے، اور جو آخرت کے انکار کے ساتھ اس دنیا کے بھی ازلی ہونے کے قائل ہیں تو وہ اللہ کے نزدیک بدترین کافر ہے۔"

توحید انبیا کی دعوت ہے اور اسلامی دعوت کو اسی پر مرکوز ہونا چاہیے۔ اور توحید صرف قبر پرستی ہی نہیں بلکہ دہریت کی بھی بیخ کنی کرتی ہے۔ ماضی میں انسان کمزور ہونے کے ناطے اپنی ذات سے باہر طاقتور چیزوں کو الٰہ مان کر شرک کا مرتکب ہوتا تھا، لیکن دورِ حاضر کے مغربی انسان نے اپنی عقل کے دھوکے میں آکر اپنی ذات کو ہی الٰہ بنالیا ہے اور اپنی عقل کی ہی پرستش کرتا ہے اور یہی بزبانِ قرآن خواہش نفس کا شرک ہے۔ مغربی انسان اپنی ذات سے باہر ہر قسم کے الٰہ اور معبود کی نفی پر مصر ہے، اور یہی مغرب میں اُٹھنے والی نشاۃ ثانیہ کی تحریک کا بنیادی نکتہ ہے۔ جس نے اگلے تین سو سالوں میں متعدد گمراہیاں پیدا کی ہیں۔ چنانچہ توحید کو صرف شرک تک محدود کرنے کی بجائے، معرفتِ الٰہ اور اتباعِ رسالت تک لانا چاہیے اور جدید دور کے کفر اعظم کی

1 مجموع فتاوی ابن تیمیہ: ۱۷/ ۲۹۱

بھی اصلاح کرنی چاہیے۔ توحید میں توحید ربوبیّت والوہیّت اسی الحاد کا خاتمہ کرتی ہیں۔ اور شرک وقبر پرستی کی تردید کے ساتھ الحاد کے خلاف بھی دعوتِ توحید کو وسیع کرنا چاہیے۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے ذات باری تعالیٰ اور آخرت کے منکروں کو ابلیس سے بھی بڑا کافر قرار دیا ہے، لکھتے ہیں:

... تلتزم الإعراض عن معرفة اللهّ وعبادته وذكره، فلا تذكره قط، ولا تعبده، ولا تدعوه، ولا ترجوه، ولا تخافه، فيكون جحدك له أعظم من جحد إبليس الذي اعترف به.[1]

"اس سے اللہ کی معرفت، اس کی عبادت اور ذکر سے اعراض یعنی منہ موڑنا لازم آتا ہے۔ تو اس کو کبھی یاد بھی نہیں کرتا، کبھی اس کی بندگی بھی نہیں کرتا، کبھی اس سے دعا نہیں کرتا، کبھی اس سے امید بھی نہیں رکھتا، کبھی اس سے خوف نہیں کھاتا۔ سو تیرا اللہ کا انکار کرنا تو اس ابلیس سے بھی سنگین تر ہے جس نے ربّ کا اعتراف تو کیا تھا۔"

امام ابن تیمیہ نے ارسطو کو ابلیس اور مشرکین مکہ سے بڑا کافر قرار دیا، کیونکہ مشرک تو اللہ کی بہت سی باتیں مانتا ہے، اور مُلحد کسی شرعی حکم کا سرے سے قائل نہیں ہوتا۔ لکھتے ہیں:

" قَوْلَ الْفَلَاسِفَةِ - الْقَائِلِينَ بِقِدَمِ الْعَالَمِ وَأَنَّهُ صَادِرٌ عَنْ مُوجَبٍ بِالذَّاتِ مُتَوَلِّدٌ عَنْ الْعُقُولِ وَالنُّفُوسِ الَّذِينَ يَعْبُدُونَ الْكَوَاكِبَ الْعُلْوِيَّةَ وَيَصْنَعُونَ لَهَا التَّمَاثِيلَ السُّفْلِيَّةَ: كَأَرِسْطُو وَأَتْبَاعِهِ - أَعْظَمُ كُفْرًا وَضَلَالًا مِنْ مُشْرِكِي الْعَرَبِ الَّذِينَ كَانُوا يُقِرُّونَ بِأَنَّ اللهَ خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا فِي سِتَّةِ أَيَّامٍ بِمَشِيئَتِهِ وَقُدْرَتِهِ وَلَكِنْ خَرَقُوا لَهُ بَنِينَ وَبَنَاتٍ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَأَشْرَكُوا بِهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهِ سُلْطَانًا. وَكَذَلِكَ المباحية الَّذِينَ يُسْقِطُونَ الْأَمْرَ وَالنَّهْيَ مُطْلَقًا وَيَحْتَجُّونَ بِالْقَضَاءِ وَالْقَدَرِ أَسْوَأُ حَالًا مِنْ الْيَهُودِ وَالنَّصَارَى وَمُشْرِكِي الْعَرَبِ؛ فَإِنَّ هَؤُلَاءِ مَعَ كُفْرِهِمْ يُقِرُّونَ بِنَوْعٍ مِنْ الْأَمْرِ وَالنَّهْيِ وَالْوَعْدِ وَالْوَعِيدِ وَلَكِنْ كَانَ لَهُمْ شُرَكَاءُ شَرَعُوا لَهُمْ مِنْ الدِّينِ مَا لَمْ يَأْذَنْ بِهِ اللهُ بِخِلَافِ المباحية الْمُسْقِطَةِ لِلشَّرَائِعِ مُطْلَقًا فَإِنَّمَا يَرْضَوْنَ بِمَا تَهْوَاهُ أَنْفُسُهُمْ...[2]

"فلاسفہ کا یہ موقف کہ دنیا قدیم سے ہے، اور ایسی واجب الوجود ذات سے نکلی ہے جو عقول ونفوس سے پیدا ہوئی، جن کی وہ بلند ستاروں کی طرح بندگی کرتے اور اس کے لئے گھٹیا مثالیں بناتے ہیں، جیسا

---

۱ مجموع فتاوی ابن تیمیہ: ۳۵۶/۵

۲ مجموع فتاوی ابن تیمیہ: ۴۵۷/۸-۴۵۸

کہ ارسطو اور اس کے پیروکاروں کا موقف ہے۔ تو یہ موقف رکھنے والے مشرکین عرب سے بڑے کافر اور بڑے گمراہ ہیں، جو آسمان وزمین اور ان کے مابین چیزوں کے چھ دنوں میں اللہ کی طرف سے، اس کی مشیت اور قدرت کے ساتھ تخلیق کرنے کا تو اقرار کرتے تھے، تاہم انہوں نے بلا علم اللہ کے بیٹے بیٹیاں بنا رکھی تھیں اور وہ اللہ کی طرف سے نازل کردہ کسی دلیل کے بغیر اس کے ساتھ شریک بناتے تھے۔ ایسے ہی وہ اباحیت پسند لوگ جو مطلق طور پر اللہ کے حکم و منع کے منکر ہیں اور قضاو قدر کے ساتھ حجت پکڑتے ہیں تو یہ لوگ بھی یہود و نصاریٰ اور مشرکین عرب سے زیادہ بدترین ہیں۔ کیونکہ یہ یہود و نصاریٰ اور مشرکین تو اپنے کفر کے ساتھ ساتھ اللہ کی حکم و منع، وعد اور وعید کے اقراری تھے۔ تاہم وہ اس کے ساتھ اللہ کے ایسے شریک ٹھہراتے تھے، جو اللہ نے مقرر نہیں کئے، بر خلاف ان اباحیت پرستوں کے جو سرے سے تمام شرعی احکام کے ہی منکر ہیں۔ وہ سارے ایسے ہی کام پسند یا ناپسند کرتے ہیں جو صرف ان کو من بھاتے ہیں۔ وہ اللہ کے اوامر و نواہی کے مطابق نہ تو حکم دیتے اور نہ ہی روکتے ہیں۔ ہاں جب ان کی کوئی نفسانی خواہش ہو تو ہر کام اپنی خواہش نفس کے تحت کرتے ہیں، اپنی معبود کی عبادت کے طور پر ہر گز نہیں۔ پھر یہ لوگ کسی کفر، گناہ اور سرکشی کو اس وقت تک برا نہیں جانتے، جب تک ان کے ذاتی مقاصد کے خلاف نہ ہو۔ تو ان کا گناہ کو یہ برا جاننا طبعی اور شیطانی ہے، نہ کہ شرعی اور رحمانی۔ اسی بنا پر شیاطین اپنے ان بھائیوں کی مدد کر کے ان کو سرکشی میں دور تک دھکیل دیتے ہیں اور پھر یہ کوئی کسر نہیں اٹھا رکھتے۔ اور شیاطین ان لوگوں کے لئے مجسم مثال بنتے، ان سے اسی طرح باتیں کرتے اور ان کی خواہشات میں ان کی مدد کرتے ہیں، جیسے یہ شیاطین بتوں کے پجاری مشرکین کی مدد کرتے ہیں۔"

دور جدید کے مغربی سائنس دان بھی ارسطو، افلاطون کی طرح ایسے ہی دہریانہ نظریات کے حامل ہیں، نہ وہ اللہ کے قائل اور نہ کسی شریعت کے، صرف اپنے نفس کے پجاری۔ ۶ دسمبر ۲۰۱۸ء کو نیویارک میں معروف زمانہ سائنس دان آئن سٹائن کا جرمن زبان میں ۱۹۵۴ء میں تحریر شدہ یہ خط ۲۹ لاکھ ڈالر میں فروخت ہوا ہے جس میں اس نے اپنا نظریہ خدا یوں بیان کیا ہے:

"آئن سٹائن جرمن فلسفی ایرک گٹ کائنڈ کے نام اس خط میں لکھتے ہیں کہ 'لفظ خدا میرے لیے انسانی کمزوری کے اظہار اور پیداوار کے علاوہ کچھ نہیں... بائبل قابلِ قدر مگر دقیانوسی اساطیر کا مجموعہ ہے... کوئی تفسیر، چاہے وہ کتنی ہی باریک کیوں نہ ہو، اس بارے میں میرے خیالات بدل نہیں سکتی۔"

۱۹۲۹ء میں آئن سٹائن نے خدا کے بارے میں اپنا نظریہ ایک انٹرویو میں یوں پیش کیا کہ

1 https://www.bbc.com/urdu/science-46471640

"میں دہریہ نہیں ہوں۔ ہمیں جو مسئلہ درپیش ہے وہ ہمارے محدود ذہنوں کے مقابلے پر انتہائی عظیم ہے۔ ہماری مثال اس بچے کی سی ہے جو ایک وسیع و عریض لائبریری میں داخل ہوتا ہے جو مختلف زبانوں کی کتابوں سے بھری ہوئی ہے۔ بچے کو معلوم ہے کہ کسی نے ضرور یہ کتابیں لکھی ہوں گی، لیکن یہ نہیں پتہ کیسے۔ اسے وہ زبانیں نہیں آتیں جن میں یہ کتابیں لکھی گئی ہیں۔ بچہ کتابوں کی ترتیب میں ایک پر اسرار ترتیب دیکھتا ہے لیکن اسے پتہ نہیں وہ ترتیب کیا ہے... ہم کائنات کو دیکھتے ہیں جو پر اسرار طریقے سے ترتیب دی گئی ہے اور وہ بعض قوانین کے تابع ہے، لیکن وہ ان قوانین کو بہت مدہم انداز میں سمجھتا ہے۔"

معلوم ہوتا ہے کہ آئن سٹائن کے خدا کے بارے میں خیالات بدلتے رہے ہیں، اور اپنی وفات سے ایک سال قبل ۱۹۵۴ء میں وہ خدا کے وجود کا منکر ہو گیا تھا، جیسا کہ مذکورہ خط کے الفاظ بتاتے ہیں۔

علمائے کرام جس طرح شرک کی مذمت میں عظیم دعوتی خدمات انجام دیتے ہیں، اس طرح ان کو شرک سے بھی بڑے گناہ دہریت والحاد پر بھی توجہ کرنی چاہیے، اور عقیدۂ توحید سے اس کی اصلاح بھی کرنی چاہیے۔

یہی بات شیخ عبد العزیز بن باز رحمہ اللہ اپنے ایک فتوی میں لکھتے ہیں:

وهٰكذا من ينكر وجود الله ويقول: ليس هناك إله والحياة مادة كالشيوعيين والملاحدة المنكرين لوجود الله هؤلاء أكفر الناس وأضلهم وأعظمهم شركا وضلالا، نسأل الله العافية.[1]

"اور جو شخص اللہ کے وجود کا ہی منکر ہو، اور کہے کہ یہاں کوئی الٰہ ہے ہی نہیں، اور زندگی صرف مادی ہے۔ جیسے کمیونسٹ اور ملحدوں کا خیال ہے، جو وجود الٰہی کے ہی منکر ہیں۔ تو یہ لوگ سب سے بڑے کافر، سب سے زیادہ گمراہ اور سب سے بڑے مشرک اور بھٹکے ہوئے ہیں۔"

پانچواں خطاب: 'یونانی فلسفہ کے اصول اور اثرات' از مولانا محمد رفیق طاہر حفظہ اللہ

یونان زمانۂ قدیم سے ہی علم و حکمت کا گہوارا تھا۔ یہاں تقریباً ۴۰۰-۵۸۰ قبل مسیح فیثاغورث سے اس علم کا آغاز ہوا۔ سقراط (۳۹۹-۴۶۹ ق م) اس کا شاگرد تھا اور یہ الٰہیات اور اخلاقیات کے بارے میں بحث کرتا اور زیادہ تر ریاضت میں مشغول رہتا اور زاہدانہ زندگی گزارتا۔ افلاطون (۳۴۷-۴۲۷ ق م) سقراط کا شاگرد تھا، جسے اساطین متقدمین کی آخری کڑی سمجھا جاتا ہے۔ اس کے شاگرد ارسطو (۳۲۲-۳۸۴ ق م) نے حکمائے متقدمین

1. مجموع فتاوی ابن باز: ۴/ ۳۳، ۳۲

کے کلام سے استنباط کر کے علم منطق مرتب کیا، اسی بنا پر اسے 'معلّم اول' بھی کہا جاتا ہے۔ اس کا جانشین اس کا بھتیجا 'ثاؤفراسطوس' بنا، جس کی محنت سے 'مشائیہ' کی حکمت کو فروغ ملا۔ اسی طرح یونان کا ایک اور مشہور حکیم 'دُمقراطیس' (۴۶۰-۳۷۰ ق م) ہے۔ اسی نے یہ نظریہ پیش کیا کہ اجسام عنصریہ ایک ہی ماہیت کے چھوٹے چھوٹے ذرّات سے مرکب ہیں جو حواسِ ظاہرہ سے محسوس نہیں کیے جاسکتے اور نہ ہی اُنہیں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔

اسی طرح بقراط جو کہ علم طب کا واضع ہے، یہ بھی یونان کے جزیرہ کوس میں پیدا ہوا تھا۔ یونان سے علم وحکمت کے اس تعلق کی بنا پر اس علم کو فلسفہ یونان یا حکمتِ یونان کہا جاتا ہے۔ 'فلسفہ' یونانی زبانی کا لفظ ہے، اس کا معنیٰ ہے علم وحکمت۔ لفظ 'فلسفہ' پہلے مفید اور حقیقی علم کے معنوں میں مستعمل تھا، پھر 'علم وحی کے مقابل' استعمال ہونے لگا۔ یعنی غور وفکر کے ذریعہ اشیا کی حقیقت تک پہنچنا 'فلسفہ' کہلایا۔

فلاسفہ کے مکاتبِ فکر

فلسفہ یونان کے دو بنیادی مکاتبِ فکر ہیں: ۱۔ مشّائیہ ۲۔ اِشراقیہ

مشائیہ: یہ لوگ غور وفکر اور استدلال وبراہین پہ اعتماد کرتے ہیں۔ اور مسائل عقلیہ کو دلائل سے ثابت کرتے ہیں۔ ابو نصر محمد فارابی (۲۶۰ھ-۳۳۹ھ) اور ابو علی حسین بن عبد اللہ المعروف ابن سینا (۳۷۰ھ-۴۲۸ھ) اسی مکتبِ فکر سے تعلق رکھتے تھے۔

متکلمین: یہ دراصل مسلمان مشائیین ہیں، جو فلسفہ کو مسلمان کرنے کی کوشش کر کے متکلمین کہلائے۔ ابو حامد محمد بن محمد طوسی الغزالی (۴۵۰ھ-۵۰۵ھ) اور فخر الدین محمد بن عمر الرازی (۵۴۴ھ-۶۰۶ھ) معروف متکلمین ہیں۔

اِشراقیہ: فلسفہ یونان کا ایک مکتبِ فکر جس کا بانی افلاطون تھا، اس کے ماننے والے 'اشراقیہ' کہلاتے ہیں۔ یہ لوگ مسائل عقلیہ کے حل میں بھی باطن کی صفائی اور اشراقِ نوری پر اعتماد کرتے ہیں۔ شہاب الدین سہروردی (۵۴۹ھ-۵۸۷ھ) کا تعلق اسی مکتبِ فکر سے تھا۔

صوفی: اشراقیہ ہی کے مذہب کے اثرات 'تصوف' میں پائے جاتے ہیں، یعنی وہی اشراقیہ کا انداز، بس اس پہ مذہب کا لبادہ اوڑھا دیا گیا۔

فلسفہ کے اثرات

جب فلسفہ کا عربی میں ترجمہ ہوا تو اس کے طرزِ بیان واستدلال، اور دلائل عقلیہ سے اثباتِ توحید نے لوگوں

کو اپنی جانب متوجہ کیا اور کچھ لوگ یونانی حکمت سیکھنے لگے۔ لیکن اس نے اسلامی نظریات پہ برے اثرات مرتب کیے کہ لوگوں نے فلسفہ کو نصوصِ شرعیہ پہ فوقیت دینا شروع کر دی اور جو نصوص فلسفہ کے مخالف محسوس ہوئیں، انہیں نظر انداز یا باطل تاویلات کرنا شروع ہو گئے، جس کے نتیجہ میں گمراہ فرقوں کا ظہور شروع ہوا اور دن بدن ان میں اضافہ ہی ہوتا چلا گیا۔

علمائے اسلام نے جب اسے محسوس کیا تو حکمائے مشّائیہ کے اُصولوں اور نظریات کی کتاب وسنت کے دلائل سے تردید شروع کی، اور عقائد اسلامیہ کو اس انداز سے مدوّن کیا کہ اس سے مشّائیین کے نظریات کا ابطال ہو گیا۔ اس کے ساتھ ساتھ کچھ علما نے فلاسفہ کے نظریات کے تردید کے لیے فلسفہ کا ہی استعمال کیا، ان میں سے اکثر خود بھی صراطِ مستقیم پہ پوری طرح قائم نہ رہ سکے، اور فلسفہ کی رو میں بہہ گئے، جیسا ابو حامد الغزالی (۱۰۵۸-۱۱۱۱م) کے ساتھ ہوا۔ بہت کم ایسے تھے جو فلسفہ کے ماہر بھی بنے اور اس کے اثراتِ بد سے بچے بھی رہے، جن میں امام ابن تیمیہ کا نام نمایاں ترین ہے۔ حافظ محمد گوندلوی رحمہ اللہ (جون ۱۹۸۵ء م) بھی ان علما میں شامل ہیں جنہوں نے فلسفہ کے سفسطہ کو طشت از بام بھی کیا اور اپنا دامن بھی بچا لے گئے۔

جدید سائنس بھی در حقیقت قدیم حکمتِ یونان ہی سی نکلی ہے، جو وحی کے مقابلہ میں ہے، اور عقل ہی پہ اعتماد کر کے موجودات اور حقائق اشیا کا اقرار یا انکار کرتی ہے۔ دراصل انسان کے پاس حصول علم کے تین بنیادی ذرائع ہیں: ۱۔ حواس ۲۔ معلومات پہ غور ۳۔ وحی

فلسفی اور سائنس دان علم کے پہلے ذریعہ 'حواس' کو اصل مانتے ہیں۔ جو چیز حواس سے محسوس کی جا سکے خواہ ظاہرِ حواسِ خمسہ یا محض تخیل یا توہم یا صرف تعقل ہی سے، یہ ان کے ہاں اصل علم ہے۔ اور جو ان کی عقل میں نہ آئے وہ شے ان کے ہاں معدوم ہے۔ اب چونکہ ذاتِ باری تعالیٰ کو نہ تو حواس سے محسوس کیا جا سکتا ہے اور نہ ہی کوئی خدا بننے کا تجربہ کر سکتا ہے۔ اسی طرح نبوت بھی وہبی شے ہے، یہ بھی تجربہ سے حاصل نہیں ہو سکتی، سو انہوں نے مغیبات کا انکار کر دیا۔

اور جو مسلمان 'اشراقیہ' کا طرز اختیار کر کے صوفیا کہلائے، انہوں نے کشف والہام کے نام پر نبوت پہ ہاتھ صاف کیے اور کبھی أنا الحق کا نعرہ لگا کر تو کبھی 'خدا بننے کا گُر' سکھا کر 'خدا' بننے کے تجربات کیے!

اشاعرہ وماتریدیہ ہوں یا معتزلہ وخوارج وشیعہ وغیرہ، سبھی وحی الٰہی کی غیر مشروط اطاعت چھوڑ کر اور اسی فلسفیانہ عقل پرستی کا شکار ہو کر گمراہ ہوئے ہیں۔ اور عصر حاضر میں وحید الدین خان (ولادت ۱۹۲۵ء) اور جاوید احمد غامدی (ولادت ۱۹۵۱ء) اسی سلسلہ کی کڑیاں ہیں۔

ہمارے نونہال جب سکول و کالج میں سائنس پڑھتے ہیں اور علوم دینیہ میں ناپختہ ہونے کی وجہ سے وحی کے بجائے سائنس پہ ان کا اعتماد بڑھتا چلا جاتا ہے تو وہ بہت جلد دہریت کا شکار ہو جاتے ہیں۔ اس لیے ضروری ہے کہ علوم وحی میں نئی نسل کو پختہ کیا جائے، اور مغیبات پہ ان کا ایمان مضبوط کیا جائے۔ اور فلسفہ کا ردّ فلسفہ سے کرنے کی بجائے وحی الٰہی سے کیا جائے، تاکہ سائنس و فلسفہ کے مقابل وحی الٰہی کی حیثیت و اہمیت ان کے قلوب واذہان میں راسخ ہو۔ اور یہ کام کرنے کے لیے علماے کرام کو اجتہاد واستنباط کی مشق مسلسل کرتے رہنا چاہیے تاکہ ملکہ استنباط پیدا ہو، اور سلف صالحین کی طرح براہِ راست وحی الٰہی سے مسائل اخذ کرنے کی صلاحیت پیدا ہو جائے۔

چھٹا خطاب: 'الحاد کا تدارک اور اعتصام بالکتاب والسنۃ و فہم سلف' از غلام مصطفیٰ ظہیر حفظہ اللہ

ہمارے ہاں صرف دہریت کو الحاد کہہ دیا جاتا ہے، جبکہ اسلامی لٹریچر میں الحاد کی اصل 'فہم سلف کے مقابلے میں کوئی مبنی بر عقل دعویٰ پیش کرنا' ہے۔ ہر بگاڑ کا سبب ائمہ محدثین سے دشمنی ہے اور ائمہ محدثین کے فہم پر اعتماد ہر فتنے کا توڑ ہے۔ ائمہ محدثین فتنوں کے نباض تھے۔ تقویٰ، حفظ اور دیانت ان پر ختم تھی، اُنہوں نے اپنے اساتذہ سے سنی گئی 'واؤ' بھی بعینہٖ بیان کی ہے۔ اگر پوچھا جائے کہ آپ کن اسلاف کی بات کرتے ہیں؟ تو ہم کہیں گے جن اسلاف کی بات امام اوزاعی نے کی ہے۔ فرماتے ہیں:

عليك بآثار من سلف وإن رفضك الناس، وإياك وراي الرجال وإن زخرفوه لك بالقول، فإن الأمر ينجلي وأنت على طريق مستقيم.[2]

"اسلاف کے نقش قدم پر چلنا تجھ پر لازم ہے، اگرچہ لوگ تجھے غلط کہیں۔ اور لوگوں کی ذاتی آرا سے

---

1 الحاد کے درجے: الحاد دراصل اللہ تعالیٰ اور اس کی ہدایات قبول کرنے سے انکار کا نام ہے، اور مسلمانوں میں صحابہ کرام اور ان کے پیروکار ائمۂ اسلاف و محدثین نے سب سے زیادہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی ہدایات کی جستجو کی۔ ان کو تسلیم کرکے ان کو جمع کیا، اپنے اوپر اور معاشرے میں قائم کیا۔ اس کے بالمقابل الحاد کے بہت سے درجے ہیں جس کی اصل الٰہی ہدایت کی بجائے اپنی من مانی اور وحی سے ماورا عقل کا آزادانہ استعمال ہے۔ کبھی ملحد اپنی کامل شکل میں دہریہ اور کمیونسٹ ہوتا ہے، کبھی دین و دنیا کی خود ساختہ تقسیم کا داعی ملحد سیکولر ہوتا ہے، کبھی دین پر اعتراض کرنے والا زندیق ہوتا ہے۔ کبھی سابقہ انبیا پر اکتفا کرنے اور نبی آخر الزمان کی نبوت کو چھوڑنے والا ملحد یہودی و عیسائی ہوتا ہے۔ اور کبھی احادیثِ نبویہ و آثار صحابہ کو ترک کرنے والا عقل ورائے کا خوگر 'متکلم' بھی الحاد پر عمل پیرا ہوتا ہے اور دین میں اپنی عقل سے نت نئے اضافے کرتا چلا جاتا ہے۔ کبھی عبادت کے خود ساختہ طریقے اختیار کرے تو 'صوفی' ہوتا ہے۔ غرض جوں جوں عبدیت میں وضعیت، اطاعت میں من مانی اور عبادت میں فرعونیت بڑھتی چلی جاتی ہے، الحاد کا درجہ بڑھتا چلا جاتا ہے۔ ح م

2 إعلام الموقعين عن رب العالمين لابن قيم الجوزية: ۱/ ۵۹، دار الكتب العلمية، بيروت ۱۹۹۱ء

بچو، اگرچہ ان کے اقوال خوبصورت ہوں۔ حقیقت عنقریب آشکارا ہو جائے گی اور آپ جادہ حق پر ہوں گے۔"

آپ محدثین کی روایات لیتے ہیں، تو ان کا فہم کیوں نہیں لیتے۔ کیا یہ الحاد نہیں ہے؟ علامہ جلال الدین سیوطی (م ۱۵۰۵ء) فرماتے ہیں:

وكل من عدل عن الحق فهو ملحد، وكل من كذب علىٰ الله تعالىٰ أو علىٰ رسوله فهو ملحد. وكل من فسّر القرآن برأيه فهو ملحد، وكل من لم ير بتأويل الأحاديث المتعارضة فهو ملحد، وكل من لا يرى بالنسخ في الكتاب أو السنة فهو ملحد.[1]

"ہر وہ شخص جو حق سے منحرف ہو گیا، وہ ملحد ہے۔ اور جس نے اللہ تعالیٰ پر یا اس کے رسول پر جھوٹ بولا وہ ملحد ہے اور جس نے قرآنِ مجید کی تفسیر اپنی رائے سے کی وہ ملحد ہے۔ ہر وہ شخص جو بظاہر متعارض احادیث کی تطبیق کا قائل نہیں، وہ ملحد ہے اور جو کتاب و سنت میں نسخ کا قائل نہیں، وہ ملحد ہے۔"

الحاد علم کلام سے آیا جبکہ دین کی حفاظت علم نبوت سے ہوئی ہے، اسی لیے امام شافعی (م ۸۲۰۴ھ) نے فرمایا:

"حُكْمِي فِي أَهْلِ الْكَلَامِ أَنْ يُضْرَبُوا بِالْجَرِيدِ وَيُطَافُ بِهِمْ فِي الْعَشَائِرِ وَالْقَبَائِلِ، هَذَا جَزَاءُ مَنْ تَرَكَ الْكِتَابَ وَالسُّنَّةَ وَأَخَذَ فِي الْكَلَامِ."[2]

"علم کلام سیکھنے والوں کے متعلق میرا یہ فیصلہ تو یہ ہے کہ انہیں چھڑی سے پیٹا جائے، اونٹ پر بیٹھا کر مختلف قبائل اور خاندانوں کا چکر لگوایا جائے اور آواز لگا کر بتایا جائے کہ یہ اس شخص کی سزا ہے جو کتاب و سنت کو چھوڑ کر علم الکلام حاصل کرتا ہے۔"

امام سرخسی نے کہا ہے کہ نبی ﷺ پگڑی کا مسح نہیں کر رہے، بلکہ پگڑی درست کرنا چاہ رہے تھے جسے صحابی نے مسح سمجھ لیا۔ غور طلب امر یہ ہے کہ روایت تو پانچ چھ صحابہ نے کیا اور کیا سبھی کو غلطی لگ گئی؟! ایسا ہی رویہ الحاد کے راستے کھولتا ہے۔ اس لیے امام ابن عبد الہادی (م ۱۷۴۴ھ) نے فرمایا:

"ولا يجوز إحداث تأويل في آية أو سنة، لم يكن على عهد السلف ولا عرفوه، ولا بيّنوه للأمة، فإن هذا يتضمّن أنهم جهلوا الحق في هذا وضلّوا عنه، واهتدى إليه هذا المعترض المستأخر.[3]

"کسی آیت یا حدیث کی ایسی تفسیر کرنا جائز نہیں جو عہدِ سلف میں موجود نہ ہو، اور وہ اسے نہ جانتے

---

۱ نُخب الأفكار شرح معاني الآثار: ۱/ ۴۳، ۴۲

۲ جامع بيان العلم وفضله لابن عبدالبر: باب ماتكره فيه المناظرة الجدال: ۲/ ۹۴۱، دار ابن الجوزي

۳ الصارم المنكي في الرد على السبكي: ۳۱۸، مؤسسة الريان، بيروت ۲۰۰۳ء

ہوں، اور نہ انھوں نے اُمت کو بیان کی ہو۔ کیونکہ اس کا معنیٰ یہ ہے کہ وہ اس مسئلہ میں حق سے جاہل تھے اور اس سے نابلد تھے، اور آج اسی بعد میں آنے والے معترض کو ہدایت نصیب ہوئی ہے۔"

'فہم سلف سے آزادی' کا نام الحاد ہے۔ ائمہ سلف اور محدثین نے یہ الحاد کبھی قبول نہیں کیا، اس لیے آج روئے زمین پر اسماء وصفات کے باب میں سوائے سلف کے جو أهل السنة والجماعة ہیں، کوئی حق پر نہیں۔ اسی بات کو امام شاطبی (م ۷۹۰ھ) نے یوں بیان کیا ہے:

الحذر الحذر من مخالفة الأوّلين فلو كان ثمّ فضلٌ ما لكان الأولون أحقّ به.[1]

"بچنا چاہئے اس شخص سے جو سلف صالحین کی مخالفت کرتا ہے، چاہے وہ کتنا ہی صاحب فضل ہو، البتہ پہلے لوگ اس کے زیادہ مستحق تھے۔"

اور حافظ ابن کثیر (م ۷۷۴ھ) فرماتے ہیں:

أهل السنة يقولون في كل فعل أو قول لم يثبُت عن الصحابة، أنها بدعة، لأنه لو كان خيرًا لسبقونا إليه[2]

"علماے اہل سنت فرماتے ہیں کہ ہر وہ فعل یا قول جو صحابہ کرام سے ثابت نہیں ہے، بلاشبہ وہ بدعت ہے، کیونکہ اگر وہ خیر ہوتا تو وہ اس کے لیے ہم سے سبقت لے جانے والے تھے۔"

حیرانی کی بات ہے کہ لوگ فہم سلف کو تقلید کہتے ہیں، حالانکہ یہ صراط الذين أنعمت عليهم ہے۔ امام سیوطی (م ۹۱۱ھ) نے کہا ہے کہ "اس آیت میں سلف کی اقتدا کی طرف اشارہ ہے۔"

ایک صاحب نے کہا کہ "اللہ ہر جگہ ہے۔" اور قرآن سے دلیل دینے لگا۔ تو میں نے کہا کہ "آیات مجھے بھی آتی ہیں، سبیل المؤمنین بتلاؤ یا ائمہ سلف سے کوئی دلیل لاؤ...!"

حافظ ابن قیم (م ۷۵۱ھ) فرماتے ہیں کہ اہل باطل کے ہاں چار طاغوت ہیں:

1. إن كلام الله وكلام رسوله ﷺ أدلة لفظية لا تفيد علمًا ولا يحصل منها يقين.
2. إن آيات الصفات وأحاديث الصفات مجازات لا حقيقة لها.
3. إن أخبار رسول الله ﷺ الصحيحة التي رواها العدول وتلقتها الأمة بالقبول، لا تفيد العلم، وغايتها أن تفيد الظن.

---

۱ الموافقات لإبراهيم بن موسى الشاطبي: ۳/ ۲۸۰، دار ابن عفان ۱۹۹۷ء

۲ تفسير القرآن العظيم لابن كثير: ٤/ ١٦٥، (الأحقاف: ١١) دار السلام، الرياض ۱۹۹۲ء

4. إذا تعارض العقل ونصوص الوحي، أخذنا بالعقل ولم نلتفت إلى الوحي.[1]

"(جس نے کہا) اللہ تعالیٰ کا کلام اور اس کے رسول کی بات لفظی طور پر دلالت کرتے ہے، علم کا فائدہ نہیں دیتی، اور اس سے یقین حاصل نہیں ہوتا۔

بلاشبہ صفات کے متعلق آیات اور احادیث مجازی ہیں، ان کا حقیقی معنی مراد نہیں۔

رسول اللہ ﷺ کی احادیث صحیحہ جنہیں عادل راویوں نے روایت کیا اور امت نے اسے قبول کیا، ان سے علم حاصل نہیں ہوتا، وہ صرف ظن کا فائدہ دیتی ہیں۔

جب عقل اور نصوص متعارض ہوں تو ہم عقل کی بات لیں گے اور وحی کی طرف نہیں دیکھیں گے۔"

خبر واحد کا لفظ دراصل حدیث نبوی کی اہمیت کم کرنے کے لئے بولا جاتا ہے، کیونکہ صحیحین سمیت ۹۹ فیصد احادیثِ نبویہ اسی قسم سے ہیں۔ اور محدثین کرام میں سے ابنِ حبان کے علاوہ کسی نے اسے ذکر تک نہیں کیا۔ اور اُنہوں نے بھی ردّ کرتے ہوئے اس کا ذکر کیا۔

آج بھی ملحدین کو تکلیف اصل 'احادیث اور محدثین' سے ہے۔ امام ابو نصر بن سلام فرماتے ہیں:

ليس شيء أثقل على أهل الإلحاد ولا أبغض إليهم من سماع الحديث وروايته بإسناده.[2]

"ملحدین کے لیے حدیث کے سماع اور اسناد کے ساتھ اس کی روایت سے بڑھ کر ثقیل اور قابل نفرت کوئی چیز نہیں ہے۔"

ردِّ الحاد کیسے؟

سب سے پہلا کام: محدثین کی کتب عام کر دیں۔ بڑی کتابوں کی مختصرات کو ہر گھر میں ہونا چاہیے۔ اس کے بعد مولانا ثناء اللہ امرتسری اور مولانا عبد الرحمٰن کیلانی رحمہا اللہ کی کتابوں کو عام کریں۔ میں نے ایک ملحد کو مولانا ثناء اللہ امرتسری رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب دی تو وہ تائب ہو گیا۔ الحمد للہ

دوسرا کام: بد عملی سے چھٹکارا پائیں، الحاد کی عمارت اس اعتراض پر کھڑی ہے کہ دین داروں کا اپنا کردار دیکھو!

تیسرا کام: نوجوانوں کو فرداً فرداً سمجھائیں اور ان کے شکوک کا ازالہ کریں۔ صاحب الفَرق بين الفِرق نے باطنیہ کے کسی قائد کا قول ذکر کیا ہے کہ تم مسلمانوں کی اُمہات الکتب میں شکوک پیدا کرو اور مسلمہ قوانین

---

١ الصواعق المرسلة في الرد على الجهمية والمعطلة لابن القيم الجوزية: ١/ ١٧٣-١٧٤، الرياض

٢ شرف أصحاب الحديث لأبي بكر الخطيب البغدادي: ٧٣، دار إحياء السنة النبوية، أنقرة

فطرت کو ہی مشکوک کر دو، جیسے انسان کی تخلیق کا مسئلہ ہے، تو اس سے بے دینی کا راستہ خود ہی کھل جائے گا۔ اس لیے نوجوانوں کے شکوک دور کرنا بہت ضروری ہے۔

ساتواں خطاب: فضیلۃ الشیخ مولانا ڈاکٹر عبد الرحمٰن مدنی حفظہ اللہ (رئیس مجلس التحقیق الاسلامی)

مذکورہ علما کنونشن مولانا عبد الرحمٰن مدنی حفظہ اللہ کی زیر صدارت تھا، اپنے صدارتی خطاب میں انہوں نے پاکستان میں دستور سازی کی تاریخ پر مفصل روشنی ڈالی۔ انہوں نے فرمایا:

الحاد کے حوالے سے ہمیں بعض واقعاتی مسائل کا سامنا ہے جنہیں جاننا بھی وقت کی اہم ضرورت ہے۔ الحاد پر مبنی سیکولرزم (یعنی نظام حکومت سے دین کو بے دخل کر دینے) کی اس دور میں اہم ترین صورت اللہ کی شریعت کی بجائے انسانوں کے ہاتھوں دستور کی تشکیل ہے۔ محمد علی جناح ۱۹۴۰ء میں حیدر آباد میں خطاب کر رہے تھے، اسی دوران سوال آیا کہ پاکستان کا دستور کیا ہو گا؟ تو انہوں نے فرمایا: پاکستان اسلام کے نام پر بن رہا ہے، اسے الگ سے دستور کی ضرورت نہیں ہے، اس کا دستور قرآن ہو گا۔ مگر جب پاکستان بنا تو اسلامی نہ سہی، آزاد تو ہوتا۔ اس کے لئے شرط لگائی گئی کہ جب تک دستور نہ بنے گا، آزاد مملکت نہ ہو گا۔ انڈیا نے ۱۹۴۹ء میں دستور بنا کر برطانوی بادشاہت سے آزادی حاصل کر لی، لیکن پاکستان کو تاجِ برطانیہ سے آزادی حاصل کرنے میں ۲۳ مارچ ۱۹۵۶ء تک، یعنی ۱۹۵۶ء کے دستور (۹ سال) تک انتظار کرنا پڑا، اس دوران پاکستان پر تاج برطانیہ کے ماتحت مسلسل چار گورنر جنرل نے حکومت کی۔

پاکستان کا سیاسی المیہ یہ ہے کہ یہاں اسلام کو منزل کی بجائے اپنی حکومت کے استحکام کے لئے بطور آلہ استعمال کیا گیا۔ نظام مصطفیٰ کی تحریک کے نتیجہ میں مارشل لا لگایا تو کہا گیا کہ قرآن وسنت کا غلبہ ہو گا، مگر عملاً ایسا کچھ نہ ہوا۔ پھر جب ضیاالحق آیا تو اس نے کہا میرے مشیر علماء ہوں گے، گیارہ علمائے کرام کو مشیر مقرر کیا گیا، ان کے مگر تقرر کا کبھی باقاعدہ نوٹیفکیشن نہ کیا گیا۔ جب نوٹیفکیشن ہی نہ ہوا تو اسلام اور علمائے کرام کو اہمیت کیسے ملتی؟ نفاذِ شریعت کا نام لیا گیا، مگر عملاً شریعت بل سرد خانے کی نذر ہو گیا۔

سعودی عرب کے بانی شاہ عبد العزیز (م ۱۹۵۳ء) نے آغاز میں ہی طے کر دیا تھا کہ ہمارا دستور قرآن وسنت ہو گا، اور جب شاہ فہد (م ۲۰۰۵ء) نے اسے باقاعدہ تحریر کروایا تو اس میں وضاحت سے لکھ دیا کہ

المادة الأولى: المملكة العربية السعودية دولة عربية إسلامية، ذات سيادة تامة، دينها الإسلام، ودستورها كتاب الله تعالى وسنة رسول الله، ولغتها هي اللغة العربية.

"آرٹیکل ۱: مملکتِ سعودی عرب مکمل طور پر خود مختار عرب اسلامی ملک ہے، اس کا دین 'اسلام'، دستور 'کتاب اللہ اور سنت رسول ﷺ'، زبان 'عربی' اور دارالحکومت 'الریاض' ہے۔"

پھر سعودی عرب کے نظام عدل میں بھی کسی انسانی قانون کی بجائے اللہ کی شریعت کو برتری حاصل ہے:

المادة السادسة والأربعون: القضاء سلطة مستقلة ولا سلطان على القضاة في قضائهم لغير سلطان الشريعة الإسلامية.

"آرٹیکل ۴۶: 'عدلیہ' ایک آزاد اور بااختیار ادارہ ہو گا جس پر شریعتِ اسلامیہ کی بالادستی و برتری کے علاوہ اور کوئی بالادستی نہیں ہو گی۔"

المادة الثامنة والأربعون: تطبق المحاكم على القضايا المعروضة أمامها أحكام الشريعة الإسلامية وفقًا لما دلّ عليه الكتاب والسنة، وما يصدره ولي الأمر من أنظمة لا تتعارض مع الكتاب والسنة.

آرٹیکل ۴۸: تمام عدالتیں پیش ہونے والے جملہ مقدمات میں شریعتِ اسلامیہ کے احکامات کے مطابق فیصلہ کرنے کی پابند ہوں گی جیسا کہ وہ کتاب اللہ اور سنت رسول ﷺ سے ثابت ہیں۔ نیز انتظامی عدالتیں حکام کی طرف سے نافذ کردہ اُن نظاموں کے مطابق فیصلہ کریں گی جو کتاب اللہ اور سنتِ رسول ﷺ کے مخالف نہ ہوں۔"

پاکستان اسلام کے نام پر وجود میں آیا، اس کے دستور میں اسلام کے بارے میں بہت سے آرٹیکلز موجود ہیں مگر پاکستان میں کسی بھی حاکم نے شریعت نافذ نہ کی، اور نہ شرعی عدالتیں مؤثر ہو سکیں۔ حالیہ حکومت نے ریاستِ مدینہ کا نعرہ بلند کیا ہے، لیکن وہ بھی آئی ایم ایف اور امریکہ کی غلامی کے رستے پر چل نکلی ہے۔

دینی جماعتوں کی حالت بھی اس سے مختلف نہیں ہے، شریعت بل کے نام پر حنفی فقہ کو سپریم لاء بنانے کی کوشش کی گئی ہے۔ مجلس عمل کے اعلامیہ میں لکھا ہوا ہے کہ ملک کا قانون فقہ حنفی ہو گی، باقی سب اقلیتیں ہیں۔ معلوم نہیں کہ اہل حدیث قیادت نے کیسے اس اعلامیہ پر دستخط کر کے مجلس عمل میں شامل ہونا قبول کیا؟

جو بات اللہ کی وحی نہیں ہے، وہ شریعت نہیں ہے۔ اجماع اور قیاس حجت تو ہیں مگر شریعت نہیں ہیں۔ قرآن وسنت کے علاوہ کوئی چیز بھی مسلمانوں کے لیے اَتھارٹی نہیں ہے۔

افسوس ہے کہ اہل حدیث جماعتی اعتبار سے پیچھے ہیں، مگر مایوس نہیں ہونا چاہیے کہ کتاب وسنت کی غیر مشروط اطاعت ہمارا طرۂ امتیاز ہے۔ اور اسی سے ملتِ اسلامیہ کی کامیابی مشروط ہے۔ ہمیں علم میں رسوخ اور عمل بالکتاب والسنۃ کی اعلیٰ مثال پیش کرنی چاہیے۔ ☆☆ (باقی دو نشستوں کی رپورٹ آئندہ شمارے میں)

تبلیغ دین کے لیے مجلس التحقیق الاسلامی کی عظیم الشان

ویب سائٹس

زیر سرپرستی	زیر نگرانی	علمی معاونت	فنی معاونت
ڈاکٹر حافظ عبدالرحمن مدنی	ڈاکٹر حافظ انس نضر	قاری مصطفیٰ راسخ	انجینئر محمد شاکر اعوان
ڈاکٹر حافظ حسن مدنی	ڈاکٹر حافظ حمزہ مدنی	قاری خضر حیات	انجینئر عمیر حسن راجہ

محدث
Mohaddis.com

محدث لائبریری
Kitabosunnat.com

محدث فتویٰ
UrduFatwa.com

محدث میگزین
Magazine.Mohaddis.com

محدث فورم
Forum.Mohaddis.com

خصوصیات

- اسلامی کتب، مضامین اور فتاویٰ کے لیے مقبول ترین اور روزانہ اپڈیٹ ہونے والی ویب سائٹس۔
- اسلامی لٹریچر اور شرعی مسائل کے لیے دنیا بھر سے ملنے والے مطالبوں کی تکمیل
- یومیہ مناسبت کے مطابق خصوصی مضامین
- تمام ویب سائٹس اردو زبان میں
- تمام ویب سائٹس پر تبصرے و جائزے اور تاثرات و شماریات کی سہولت

جاری پروگرام

محدث
Mohaddis.com
احادیث نبویہ کا عظیم ذخیرہ، ترجمہ اور تحقیق و تخریج کی سہولت کے ساتھ

محدث لائبریری
Kitabosunnat.com
- یومیہ 3 کتب کا اضافہ (PDF)
- حالات کی مناسبت سے اہم مضامین

محدث فتویٰ
UrduFatwa.com
- تمام سلفی مطبوعہ فتاویٰ جات کی اپ لوڈنگ (نئے پیش آمدہ مسائل کے فوری جوابات)

محدث میگزین
Magazine.Mohaddis.com
47 سال کے مطبوعہ تمام شمارے
(Unicode / PDF)

محدث فورم
Forum.Mohaddis.com
موضوعات: 34,261 ترسیلات: 279,857
اراکین: 4930

یومیہ 25000 وزیٹر
ہر لمحہ 3000 قارئین

مستقبل کے منصوبے

- محدث یونیکوڈ لائبریری
- محدث بلڈ بنک
- محدث آڈیو، ویڈیو سیکشن
- رسائل و جرائد سیکشن

ماہانہ اخراجات سوا تین لاکھ روپے

Mobile:+92 322 7222288
anasnazar99@gmail.com

Account: kitabosunnat.com, 0093-01875659, Bank AlFalah, Urdu Bazar, Lahore Swift Code: ALFPKKA093

زیر اہتمام: مجلس التحقیق الاسلامی J-99 ماڈل ٹاؤن، لاہور

www.kitabosunnat.com magazine.mohaddis.com

CPL No. 49
Vol. 50 No. 2
Monthly MUHADDIS Lahore
35866476
35866396

عناد اور تعصب قوم کے لیے زہرِ ہلاہل کی حیثیت رکھتے ہیں

لیکن تعصبات سے بالاتر رہ کر اِفہام و تفہیم اُمت کے لیے رحمت کا باعث ہے۔

علومِ جدیدہ سے ناواقفیت اور انکار، انسانی ارتقاء کو تسلیم کرنے میں بخل کا درجہ رکھتے ہیں

لیکن قدیم علومِ اسلامیہ کو فرسودہ قرار دینا اور مذہبی روایات کے حاملین کو دَقیانوس بتانا اُمت کی تباہی کا سبب ہے۔

غیر مذاہب کے بارے میں معاندانہ رویہ اختیار کرنا اسلامی اَقدار کے منافی ہے

لیکن دینِ اسلام پر غیر مذاہب کے حملوں کا دفاع نہ کرنا اور اسلام کی تبلیغ کا فریضہ سرانجام نہ دینا حمیتِ دینی اور غیرتِ اسلامی سے یکسر انحراف ہے۔

تبلیغ دین اور اشاعتِ اسلام میں حکمتِ عملی کو نظر انداز کر دینا مصالحِ دینیہ کے خلاف ہے

لیکن حلال اور حرام کے امتیاز میں رَواداری برتنا اور قوانین و مسائلِ اسلامیہ کو نرم کر دینا اسلامی روح کو کمزور کر دینے کے مترادف ہے۔

آئین و سیاست سے بیگانہ ہو کر عبادت کے لیے گوشہ نشین ہو جانا زندگی سے فرار ہے

لیکن جدا ہو دین سیاست سے تو رہ جاتی ہے چنگیزی

جاہل کو دور ہی سے سلام کر دینا عبادِ صالحین کے اَوصاف میں داخل ہے

لیکن جاہلیت کو مٹانا اور باطل کا تعاقب کرنا عین جہاد ہے۔

اگر آپ ایسا منصفانہ اور معتدلانہ رویہ پسند کرتے ہیں تو

ماہنامہ **محدث** لاہور

کا مطالعہ فرمائیے، آپ اس کو ان جملہ صفات و محاسن سے مزین پائیں گے، اِن شاء اللہ!
کیونکہ اس کے مضامین اسی مخصوص طرزِ فکر کے حامل ہوتے ہیں۔

- قیمت فی شمارہ ۶۰ روپے
- زرِسالانہ ۳۰۰ روپے

ISLAMIC RESEARCH COUNCIL 99-J, Model Town, Lahore 54700